فحاشی پھیلانے کا عذاب

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾ [النور: ۱۹]

''بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی پھیل جائے، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور فحاشی دو متضاد صفات ہیں۔ جو مومن ہوگا وہ ہر قسم کی فحاشی سے دور رہے گا اور جو فحاشی کا مرتکب ہوگا وہ مومن نہیں ہوگا۔ مومن کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ بے حیائی والی بات یا کام کر سکتا ہے۔ بلکہ جو مومنوں کو بے حیائی یا فحاشی والے کاموں کی طرف راغب کرتے ہیں ان کو دنیا میں سخت سزا دینی چاہیے اور آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نہیں جانتے (کہ فحاشی ایمان کے لیے کتنی مضر ہے) یہ بات اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے اسی لیے اس نے مومنوں کو فحاشی میں مبتلا کرنے والوں کے لیے دنیاوی واخروی سزا مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سچا ایمان نصیب فرمائے اور فحاشی کی تربیت دینے والوں سے محفوظ رکھے۔

(عبدالعظیم حسن زئی)

کام چھوٹا گناہ بڑا

۴۶۔جس کی سوچ صرف دنیا ہی ہو:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه وفرق عليه شمله ولم يأته من الدنيا إلا ما قدر له .)) (سنن ترمذي، رقم الحديث: ٢٤٦٥، السلسلة الصحيحة: ٩٤٩)

''جس کی سوچ وفکر صرف دنیا ہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فقیری کو اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دے گا، اس کے معاملات کو منتشر کر دے گا اور دنیا سے اسے اتنا ہی ملے گا جتنا اس کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔''

۴۷۔مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل: لاردها الله عليك ، فإن المساجد لم تبن لهذا .)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٥٦٨، أبوداود، رقم الحديث: ٤٧٣، ابن ماجه: ٧٦٧)

''جس کسی نے سنا کہ وہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے تو اسے کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمھیں واپس نہ کرے کیوں کہ مسجدیں ان کاموں کے لیے نہیں بنائی گئیں ہیں۔''

۴۸۔بائیں ہاتھ سے کھانا یا پینا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يأكلن أحد منكم بشماله ولا يشربن بها فإن الشيطان يأكل لشماله ويشرف بها .)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٠٢٠، أبوداود، رقم الحديث: ٣٧٧٦)

''تم میں سے کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ ہی پیے کیوں کہ بے شک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''

۴۹۔پانچ کبیرہ گناہ:

((لا يدخل الجنة صاحب خمس: مدمن خمر ، ولا مؤمن بسحر ، ولا قاطع رحم ، ولا كان ، ولا منان .)) (مسند احمد: ١٤/٣)

''پانچ قسم کے کام کرنے والے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے: (۱) ہمیشہ شراب کا عادی، (۲) جادو کی تصدیق کرنے والا، (۳) قطع رحمی کرنے والا، (۴) کاہن، (۵) اور احسان جتلانے والا۔''

(عبدالرحیم بلتستانی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

19 جمادی الثانی 1433ھ جمعۃ المبارک 11 تا 17 مئی 2012ء

شمارہ 19 جلد 64

جواہر پارے	فحاشی پھیلانے کا عذاب		
کلمہ طیبہ	کام چھوٹا گناہ بڑا		
اداریہ	اللہ ہی کافی ہے	(حافظ احمد شاکر)	2
درس قرآن	تفسیر سورۂ یٰس......(۲۲)	(مولانا ارشاد الحق اثری)	4
درس حدیث	توفیق الباری	(حافظ محمد اشرف سعید)	7
آثار حنیف بھوجیانی	جرعات......(۱۲)	(مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی)	9
افتاء	میت کو غسل دینے کے متعلق احکام و مسائل	(مولانا مفتی عبید اللہ۔عبدالرحمن ضیاء)	12
سیرت خلفائے راشدین	حضرت علی کا ایمان افروز خطبہ	(مولانا مفتی عبید اللہ)	18
خدمات علمائے اہل حدیث	مولانا علاء الدین	(عبدالواحد گوندل)	24
افکار معاصرین	ہم کتنے ظالم ہیں	(اوریا مقبول جان)	27
فہرست کتب	تبصرۂ کتب	(محمد سلیم چنیوٹی)	30
تبصرۂ کتب	فہرست کتب		31

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال
		-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

اللہ ہی کافی ہے

حافظ احمد شاکر

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔اس میں دعوت ہے، دھونس نہیں۔ عدل ہے، ظلم نہیں۔ برداشت ہے، بزدلی نہیں۔قربانی ہے، مفاد نہیں۔ایثار ہے، خودغرضی نہیں۔ وفا ہے، دھوکہ نہیں۔ خدمت ہے، استحصال نہیں۔مسکین پروری ہے، شکم سیری نہیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ہے، ہوس ملک گیری نہیں۔ معاہد (غیر مسلم) اقوام سے خیر سگالی ہے، ان پر انحصار نہیں۔ کفار سے مذاکرات تو کیے جا سکتے ہیں لیکن ان کو ہم راز بنانے کی ممانعت کی سخت وعید بھی ہے۔اصحاب وعظ و نصیحت کے لیے ظلم کی بستی میں وعظ و تذکیر کا حکم ہے لیکن اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والوں کو معافی نہیں۔قبول اسلام کے لیے جبر نہیں لیکن اسلام لانے کے بعد پھر جانے پر جان بخشی نہیں۔اسلام کے امن و آشتی کے یہ چند اُصول نوک قلم پر آ گئے وگرنہ اس موضوع پر تصنیفات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔

اشرتی زندگی میں جنگ دفع شرّ کا ایک مسلّم اصول ہے کہ تنگ آمد بجنگ آمد۔ظہور اسلام کے بعد کی مکی زندگی دیکھیے کہ کفار مکہ نے اسلام لانے والوں پر کون سا ظلم نہیں کیا، کون سے کرب و بلا سے ان کو دوچار نہیں کیا اور اسلام لانے والوں نے کون سی سختی برداشت نہیں کی، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کون سی قربانی نہیں دی۔ ماریں کھائیں، ننگے بدن تپتے پتھروں پر گھسیٹے گئے، مکہ مکرمہ کے گلی کوچوں میں پابجولاں گھمائے گئے، ان کے ٹھٹھے اڑائے گئے۔اسلام لانے والوں نے اسلام کے لیے جانی و مالی کس قربانی سے دریغ کیا؟ نشر اسلام کے لیے کون سی تدبیر اختیار نہیں کی؟ نبی اسلام ﷺ کی کس آواز پر لبیک نہیں کہا؟ اصحاب ثروت مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں پر کیا کیا کچھ نچھاور نہیں کیا؟ اسلام لانے والے غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے کیا کیا ایثار نہیں کیا۔شعب ابی طالب کے ایام محصوری کس ضبط، حوصلے اور استقامت سے کاٹے۔لیکن بالآخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل یثرب کو ایمان کی نورانی کرنوں سے منور کیا۔ان کے دلوں کو نبی اسلام ﷺ اور اہل اسلام کی محبت سے سرفراز کیا اور انھوں نے آپ ﷺ کو یثرب میں تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ ﷺ کے ساتھ آنے والوں کی خدمت و حفاظت کے وعدے کے ساتھ دعوت دی تو آپ ﷺ نے قبول فرما کر ہجرت کا ارادہ فرما لیا۔ ہجرت کے بعد اسلام ایک نئے دور میں داخل ہو گیا اور مسلمان ایک نئی معاشرت میں زندگی گزارنے لگے۔ مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ آنے والے مہاجر کہلائے اور اہل یثرب کو آپ ﷺ نے انصار مدینہ کے خطاب سے نوازا۔ پھر آپ ﷺ نے تاریخ انسانی میں مواخات کا ایسا لاثانی اُصول جاری فرمایا جس نے انسانی تاریخ کو دنگ کر دیا اور جس کے بعد سے اب تک تاریخ دوبارہ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔اہل یثرب نے ''طلع البدر علینا ـ من ثنیات الوداع'' کے دل نواز استقبالیہ کلمات سے نبی ﷺ کا استقبال کیا، اور منی و عرفات میں آپ ﷺ سے کیے ہوئے وعدوں کی ایفا کا حق ادا کر دیا۔

یثرب جب مدینہ کے نام سے منور ہو گیا تو پھر وہاں پہنچ کر مسلمانوں کی معاشرت بھی تبدیل کرنی پڑی۔حکمت عملی میں بھی تبدیلی لانی پڑی۔ مسلمانوں کی معیشت کا فکر بھی دامن گیر ہو گیا کہ یہ کسی بھی مملکت کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے معاشی و سرحدی تحفظ کے تقاضے بھی ابھرنے لگے۔قرآنِ حکیم کی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ دونوں مدنی ہیں۔انھی سورتوں میں مسلمانوں کے تحفظ، نگہبانی، مدینہ

منورہ کے اردگرد کے قبائل میں قیام امن کے لیے غیر مسلموں سے معاہدات و مذاکرات، اور ان کے نتیجے میں حلیف وحریف کی تعیین بھی کر دی گئی۔ گویا کہ مملکت اسلامی کے خدوخال کی بہت حد تک عکاسی ان سورتوں میں فرمائی گئی ہے۔ جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ خندق کا ذکر بھی بالتفصیل انھی سورتوں میں آیا ہے۔ آیاتِ جہاد، جہاد کی ترغیب، جہاد کے احکام، جنگی قیدیوں سے سلوک، مانعین زکاۃ کی سرکشی کی سزا، زکاۃ کے مصارف، منافقین کے طریقہ ہائے واردات، ان کا عمل، ان کے احکام، اہل جنت کی علامات، غیر مسلم والدین کے لیے اسلامی احکامات، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی محبت کا جزوایمان ہونا، بصورت دیگر عذابِ الٰہی کی وعید، جنگ بدر میں مسلمانوں کی دس گنا قوت اور بعد کی جنگوں میں دوگنا قوت ہونے کی تفصیلات۔ غرضیکہ ان دونوں سورتوں میں اسلام کی حربی ودفاعی پالیسیاں، جنگی اصول وقوانین اور جنگ کے مابعد کے احکامات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ پاکستان کے تعلیمی نصاب کے حصہ اسلامیات میں سے جو آیات حکم حاکم کی تعمیل میں خارج کی گئیں تھیں وہ انھی دو مبارک سورتوں کی آیات ہیں۔ ہمارے فہم کے مطابق ان دو سورتوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی سعادت پانے والوں کو:

,......اللہ تعالیٰ پر توکل، اسی پر اعتماد اور اسی سے نصرت طلب کرنے بلکہ کرتے رہنے کی واضح تعلیمات ہیں۔

,......کافروں پر کسی بھی قسم کے اعتماد کرنے، ان کو راز دار بنانے اور پالیسیاں تشکیل دیتے وقت ان کی شرکت کو قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔

,......مسلمانوں کو باہمی محبت، دوستی اور تعلقات کا دائرہ صرف مومنین تک محدود رکھنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔

,......مشرکین کے نجس (پلید) ہونے اور منافقین کی علامتوں اور ان کی عادات سیئہ کی نشاندہی بھی انھی سورتوں میں کی گئی۔

,......ان سورتوں میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب بھی ہے اور اس کے ثمرات حسنہ کا تذکرہ بھی۔

,......اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی محبت کے زریں اور ابدی اصول بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

,......اہل اسلام کو علم دین کی تحصیل اور پھر اس کے ذریعے تبلیغ کی ہدایت بھی انھی سورتوں کے آخر میں دی گئی ہے۔

ان سب تفصیلی احکامات، تنبیہات، قتال فی سبیل کی ترغیب اور میدان جنگ سے بھاگنے کی ترہیب کے باوجود آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن تَوَلَّوْا﴾ ''اے نبی (ﷺ)! اگر یہ پھر جائیں۔'' اس آیت کا ایک تشریحی معنی ہمارے مرحوم بزرگ میاں محمد باقر رحمہ اللہ (آف جھوک دادو)، جو امام عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ سے فیض یافتہ تھے، نے یہ فرمایا ہے: ''اے نبی (ﷺ)! اگر یہ سارے مسلمان پھر جائیں، یعنی آپ (ﷺ) کو چھوڑ جائیں تو آپ (ﷺ) پھر بھی دل چھوٹا نہ کریں بلکہ ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ﴾ یعنی آپ (ﷺ) کہہ دیجیے: مجھے اللہ ہی کافی ہے۔'' ہمارے علم کی حد تک میاں صاحب رحمہ اللہ کا یہ تشریحی معنی اپنے اندر معانی کا جہان لیے ہوئے ہے، خصوصاً حالات حاضرہ پر اگر اس معنی کو منطبق کیا جائے تو معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ ہماری ابتلاؤں، آزمائشوں اور فتنوں کا سبب صرف غیر اللہ پر، یہود ونصاریٰ پر، بے دین پالیسی سازوں پر اور خالق کی بجائے مخلوق، یعنی طاغوت پر انحصار ہے۔ کیا کوئی حکمران، سیاست دان، دانش ور، بزرجمہر مذہبی قائد یا کوئی ایسا فقیہ مصلحت بیں ہے جو اول آخر اللہ تعالیٰ پر انحصار کر کے دنیائے کفر کا سود بھرا قرض دشمن کے مونھ پر مار کر کہہ دے: ﴿حَسْبِيَ اللَّهُ﴾ یعنی جائیے، ہمیں آپ کے قرض کی ضرورت نہیں، ہمیں ہمارا اللہ ہی کافی ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہماری قوم کے نصیب میں کوئی ایسا جری مرد ہے کہ نہیں جو مسلمانوں کو عموماً اور پاکستانی عوام کو خصوصاً اس دلدل سے نکال کر رب حقیقی کے دربار میں سجدہ ریز کر دے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی طرف متوجہ کرے اور ہمیں رب ذوالجلال والاکرام کے در پر جھکا دے۔

وہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدے سے آدمی کو دیتا ہے نجات

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ءَ اَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ اس آیت میں پہلی بات کی مزید وضاحت ہے کہ جس اللہ نے مجھے پیدا کیا، کیا میں اُس کے سوا اور معبود بنا لوں؟ ہرگز میں الہ کے سوا کسی کو معبود نہیں بناؤں گا کیوں کہ عبادت کا حق دار تو وہ ہے جس نے پیدا کیا ہے، عدم سے وجود بخشا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں لہٰذا دوسرا کوئی عبادت کا حق دار ہی نہیں۔ یہاں ''اٰلِهة'' جمع کا لفظ استعمال کیا ہے، ''إلٰهًا'' مفرد نہیں کہا کیوں کہ اگر غیر خالق کو الٰہ و معبود تسلیم کیا جائے تو اللہ کے سوا ہزاروں معبودوں کی پرستش لازم آتی ہے۔ مگر جب میرا الٰہ میرا خالق ہی ہے تو پھر اس کے سوا کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہے۔

﴿اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ﴾ پھر وہ معبود بھی ایسے بے بس کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو نہ ان کی سفارش میرے لیے کچھ سود مند ہو سکتی ہے اور نہ ہی بذات خود کسی اختیار کے مالک ہیں کہ وہ مجھے اللہ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے۔

﴿لَا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ﴾ اس میں دراصل ان کی شفاعت کے نافع ہونے کی نفی نہیں بلکہ ان کے ''شفیع'' ہونے کی ہی نفی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم ہے کہ انھیں شفاعت کا اختیار نہیں۔ بالفرض ان کی شفاعت ہو بھی تو اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ کے سوا اِن معبودوں کے بارے میں جن دو حقیقتوں کا ذکر ہوا ہے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝﴾ [الزمر: ۳۸]

''کہہ دیجیے: کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہستیاں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کے نقصان کو ہٹانے والی ہیں؟ یا وہ جن پر کوئی مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روکنے والی ہیں؟ کہہ دے: مجھے اللہ ہی کافی ہے، اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۝﴾ [الإسراء: ۵۶]

''کہہ دیجیے: پکارو اُن کو جنھیں تم نے اس کے سوا (معبود) گمان کر رکھا ہے، پس وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کے مالک ہیں اور نہ بدلنے کے۔''

یہی بات سورۂ سبا (۲۲) اور یونس (۱۰۶) میں بیان ہوئی ہے۔

شفاعت کے بارے میں بھی فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾ [یونس: ۱۸]

''اور وہ اللہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ انھیں نفع دیتے ہیں، اور کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے: کیا تم اللہ کو اُس چیز کی خبر دیتے ہو جسے (گویا) نہ وہ آسمانوں میں

جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

فرشتوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ [النجم: ٢٦]

''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور (جسے) پسند کرے۔''

شفاعت تو کجا بلا اجازت وہ بول بھی نہیں سکیں گے:

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ [النباء: ٣٨]

''جس دن روح (جبرائیل) اور فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے، وہ کلام نہیں کریں گے مگر وہی جسے رحمان اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔''

بلکہ علی الاطلاق فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

''کون ہے وہ جو اُس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے!''

گناہ گار مومنوں کی شفاعت مومن کریں گے مگر وہ بھی تبھی جب انھیں شفاعت کی اجازت ہوگی۔ سیّد الشفعاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی تبھی شفاعت کریں گے جب آپ ﷺ کو شفاعت کی اجازت ملے گی:

((فأستأذن على ربي فيؤذن لي))

''میں اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی۔''

پھر آپ ﷺ عرشِ الٰہی کے نیچے سجدے میں اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ، کہو، تمھاری بات سنی جائے گی۔ مانگو، جو مانگو گے دیا جائے گا۔ سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں امت کی شفاعت کروں گا، ((فيحدلي حدا فأخرج فأدخلهم الجنة)) ''میرے لیے حد مقرر کی جائے گی تو میں اس کے مطابق جہنم سے نکال کر جنت میں لے جاؤں گا۔'' یوں کئی بار ہوگا حتی کہ میری امت کا وہی بدنصیب جہنم میں باقی رہے گا جسے قرآن نے روک لیا۔ (بخاری ومسلم)

قرآن کے روکنے سے کافرین ومشرکین مراد ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ان پر جنت حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر گناہ گار مسلمان کو معاف کر دے گا مگر مشرک کو معاف نہیں کرے گا۔ انبیائے کرام، فرشتے اور صلحائے اُمت کے علاوہ قرآن، روزہ اور بعض دیگر اعمال بھی شفاعت کریں گے۔ مگر یہ شفاعت دنیا کے شفیع وسفارشیوں کی طرح نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دے گا۔ اور وہ بھی انھی کی سفارش کریں گے جن کے بارے میں انھیں شفاعت کی اجازت ہوگی۔

شفاعت کبریٰ میں بھی آپ ﷺ کی تکریم وتعظیم مقصود ہے اور دیگر سفارش کرنے والوں کی بھی دراصل تکریم ہی مقصود ہے۔ یہ سب اس لیے کہ اس دن کا مالک وہی ہے:

﴿وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ﴾ [الإنفطار: ١٩]

''اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا۔''

یہاں دو باتیں مزید غور طلب ہیں جن کی طرف امام رازی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ پہلی یہ کہ یہاں سورۂ یٰس میں ﴿اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ﴾ فرمایا ہے، جب کہ سورۃ الزمر (۳۸) میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے، ﴿اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ فرمایا ہے۔ ایک جگہ ''الرحمٰن'' کی نسبت سے یہی بات ہے جب کہ دوسری جگہ ''اللہ'' کے نام سے یہی بات فرمائی گئی ہے۔ یہ اس لیے کہ سورۃ الزمر کی آیت میں اللہ کی عظمت اور ہیبت کا بیان مقصود ہے۔ وہاں اللہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ﴾ [الزمر: ٣٧]

''کیا اللہ سب پر غالب انتقام لینے والا نہیں!''

پھر فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا اللہ ہے۔ اسی تناظر میں وہاں ''اللہ'' ہی کے نام سے یہ بات فرمائی گئی ہے کیوں کہ اس اسم مبارک میں عظمت وہیبت کا بیان ہے جب کہ ''الرحمٰن'' میں رافت ورحمت کا بیان ہے۔ اور یہاں صفت ''فاطر'' کے تناظر میں اس اسم مبارک کے حوالے سے یہی بات فرمائی گئی ہے کیوں کہ ''فاطر'' یعنی پیدا کرنا عدم سے وجود بخشنا اس کی رحمت کا ہی نتیجہ ہے۔ اور یہ دونوں نام اللہ تعالیٰ کے لیے مختص ہیں، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ [الإسراء: ١١٠]

''کہہ دے: اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، تم جس کو پکارو گے سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں۔''

دوسری بات یہ کہ اس آیت میں بتلا دیا گیا ہے کہ بہر نوع اللہ ہی عبادت کے لائق ہے کیوں کہ وہی ''فاطر'' ومالک ہے۔ اس کا کوئی انعام واحسان نہ ہو تب بھی وہی معبود ہے، اس لیے کہ مخلوق اور غلام کا یہی تقاضا ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کی ہی بندگی کرے اور اگر اس کے انعام واحسان پر آئیں تو وہ ''رحمٰن'' ہے۔ اس سے بڑھ کر منعم ومحسن اور کون ہے۔ اور اگر خوف وڈر کے پہلو سے دیکھیں تو بھی مصائب سے بچانے والا وہی ہے اور نجات دینے والا بھی وہی ہے، جب کہ اللہ کے سوا کوئی مصائب سے بچانے والا نہیں، الا یہ کہ اللہ کی مدد شامل حال ہو۔ اور جب اللہ کا فیصلہ ہو جائے تو کسی اور کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

﴿اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ﴾ اگر میں خالق کے علاوہ کسی اور کو معبود بنالوں جو نہ مجھے تکلیف سے نجات دینے پر قادر ہے اور نہ ہی اس کی سفارش میرے کچھ کام آسکتی ہے تو یہ میری کھلی گمراہی ہوگی جو میری بربادی کا باعث بنے گی۔

﴿اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ وعظ وتلقین کے بعد اُس مردِ حق نے برملا اپنے ایمان کا بھرے مجمع میں اعلان کردیا کہ میری بات کان لگا کر سن لو! میں تمھارے ربّ پر ایمان لے آیا ہوں۔ یعنی جیسے وہ میرا ربّ ہے اسی طرح وہ تمھارا بھی ربّ ہے۔ میں نے اسے اپنا ربّ تسلیم کرکے کوئی غلطی نہیں کی، غلطی تو تمھاری ہے کہ تم اس پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کی بجائے ان کو معبود بنا لیا ہے جو نہ تمھیں نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی پکڑ سے تمھیں بچا سکتے ہیں۔

امام ابن جریر ؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل وتعبیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ ایمان کا یہ اظہار اُس نے رسولوں کے سامنے انھیں اپنے ایمان پر گواہ بنانے کے لیے کیا کہ میں تمھارے ربّ پر ایمان لے آیا ہوں اور تمھاری تابع داری کا اعتراف کرتا ہوں، مجھ سے میرے ایمان کا اعلان سن لو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے ایمان کی گواہی دے سکو۔ حافظ ابن کثیر ؒ نے فرمایا کہ یہ قول معناً زیادہ واضح ہے بلکہ علامہ قرطبی ؒ نے اس تاویل کا انتساب حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی طرف کیا ہے۔ علامہ رازی ؒ وغیرہ کا مختار بھی یہی ہے۔

امام قتادہ ؒ فرماتے ہیں کہ جوں ہی اس نے ایمان کا اعلان کیا پوری قوم اس پر امڈ پڑی، پتھر مار مار کے اسے شہید کردیا اور وہ آخر دم تک کہتا رہا:

"اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون."

''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، وہ حقیقت سے بے خبر ہیں۔''

ایمان کا یہ اظہار کفار کو مخاطب کرکے کیا ہو یا رسولوں کو مخاطب کرکے کہا ہو، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حق کا علم بردار کتنا بے باک اور کتنا نڈر ہوتا ہے۔ ساری قوم ایک طرف، ان کے لیڈر ایک طرف بلکہ ان کے مذہبی پیشوا ایک طرف، اس بھڑکتے ماحول میں ایک مردِ مومن بلند آواز سے کہتا ہے: ﴿اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ﴾ سب سن لو! میں تمھارے ربّ پر ایمان لایا ہوں۔ یہی ماحول مکہ مکرمہ میں تھا جس میں حضرت بلال ؓ اللہ اللہ پکارتے تھے۔ یہ داستان سنا کر دراصل اہل مکہ کو ہی خبردار کیا جا رہا ہے۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔ لاہور)

باب: فضل الدعاء عند النوم
نیند کے وقت دعا کرنے کی فضیلت

١٢٤٨ . عن البراء بن عازب قال: كان رسول الله ﷺ إذا أوى إلى فراشه نام على شقه الأيمن ثم قال: ((اللهم أسلمت نفسي إليك، ووجهت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك، لا منجى ولا ملجأ منك إلا إليك، آمنت بكتابك الذي أنزلت، ونبيك الذي أرسلت)) قال رسول الله ﷺ: ((ومن قالهن ثم مات تحت ليلته مات على الفطرة.))

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر آتے تھے تو دائیں پہلو پر لیٹتے تھے اور کہتے تھے: "اے اللہ! میں نے اپنی جان کو تیرے سپرد کیا اور اپنا چہرہ تیری طرف کیا، اپنا کام تیرے حوالے کیا اور اپنی پیٹھ کو تیری طرف جھکایا، تیری رحمت کی امید کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور جائے نجات نہیں۔ میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تُو نے نازل فرمائی اور تیرے رسول پر ایمان لایا جسے تُو نے بھیجا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس دعا کو پڑھے گا، اگر اس رات اس کو موت آ جائے تو دین فطرت، یعنی اسلام پر مرے گا۔"

١٢٤٩ . عن جابر قال: إذا دخل الرجل بيته أو أوى إلى فراشه ابتدره ملك وشيطان، فقال الملك: اختم بخير، وقال الشيطان: اختم بشر، فإن حمد الله وذكره أطرده وبات يكلأه، فإذا استيقظ ابتدره ملك وشيطان، فقالا مثله، فإن ذكر الله وقال: الحمد لله الذي رد إلي نفسي بعد موتها ولم يمتها في منامها، الحمد لله الذي: ﴿يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ [الفاطر: ٤١] الحمد لله الذي: ﴿ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ إلى ﴿لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحج: ٦٥] فإن مات مات شهيدا وإن قام فصلى صلى في فضائل.

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے یا اپنے بستر پر جگہ پکڑتا ہے تو ایک فرشتہ اور ایک شیطان جلدی جلدی اس کی طرف آتے ہیں۔ فرشتہ کہتا ہے: اپنے کام کو نیکی پر ختم کر اور شیطان کہتا ہے: برائی کے ساتھ ختم کر۔ اگر اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ کا ذکر کیا تو فرشتہ اس شیطان کو بھگا دیتا ہے اور رات بھر اس کی حفاظت کرتا ہے، پھر جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو شیطان اور فرشتہ اس کی طرف دوڑتے ہیں اور دونوں اسی طرح کہتے ہیں جیسے رات کو کہا تھا۔ اگر اس شخص نے اللہ کی حمد کی اور اس کا ذکر کیا یہ دعا پڑھی: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ إِلَيَّ نَفْسِيْ بَعْدَ مَوْتِهَا وَلَمْ يُمِتْهَا فِيْ مَنَامِهَا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَآ

إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي يُمْسِكُ السَّمَآءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ .» ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے میری جان میرے سپرد کر دی اور نیند میں مجھے موت نہ دی۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جو زمین اور آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے اس سے کہ وہ گر جائیں، اگر وہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ان کو اس کے سوا کون تھامے گا، بلاشبہ وہ حلم والا ہے اور بخشنے والا ہے۔ سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے، ہاں، مگر اسی کی اجازت سے ہو تو دوسری بات ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت ورحمت کرنے والا ہے۔'' اگر وہ اسی رات مر گیا تو اسے شہید کا ثواب ملے گا اور اگر اس نے نمازِ تہجد ادا کی تو پڑھی تو نماز بڑی فضیلت والی ہوگی۔''

باب: يضع يده تحت خده

رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونا

١٢٥٠ . عن البراء قال: كان النبي ﷺ إذا أراد أن ينام وضع يده تحت خده الأيمن ويقول: ((اللهم قني عذابك يوم تبعث عبادك.))

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنے دائیں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھتے: ''اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن تُو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔''

١٢٥١ . عن البراء، عن النبي ﷺ مثله .

یہ حدیث بطریق دیگر حضرت براء سے آئی ہے۔

باب: كبير فضل ذكر الله تعالى

افضل ذکر

١٢٥٢ . عن عبد الله بن عمرو، عن النبي ﷺ قال: ((خلتان لا يحصيها رجل مسلم إلا دخل الجنة، وهما يسير، ومن يعمل بهما قليل.)) قيل: وما هما يا رسول الله؟ قال: ((يكبر أحدكم في دبر كل صلاة عشرا، ويحمد عشرا، ويسبح عشرا، فذلك خمسون ومائة على اللسان، وألف ألفين وخمس مائة في الميزان))، فرأيت النبي ﷺ يعدهم بيده: ((وإذا أوى إلى فراشه سبحه وحمده وكبره فتلك مائة على اللسان، وألف في الميزان، فأيكم يعمل في اليوم والليلة ألفين وخمس مائة سيئة؟)) قيل: يا رسول الله! كيف لا يحصيهما؟ قال: ((يأتي أحدكم الشيطان في صلاته فيذكره حاجة كذا وكذا، فلا يذكره.))

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو عادتیں ایسی ہیں جب وہ کسی مسلمان مرد میں اکٹھی جمع ہو جاتی ہیں وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ دونوں آسان ہیں اور ان دونوں پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں۔'' لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول بتائیں وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پہلی چیز یہ ہے کہ کوئی شخص ہر نماز کے بعد دس بار اللہ اکبر کہے، دس بار الحمد للہ کہے اور دس بار سبحان اللہ کہے۔ یہ کلمات زبان پر ڈیڑھ سو ہوں گے اور قیامت کے میزان میں ڈیڑھ ہزار ہوں گے۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کلمات کو اپنے ہاتھوں پر گنتے ہوئے دیکھا ہے۔ ''(دوسری عادت یہ ہے کہ) جب کوئی اپنے بستر پر سونے کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح، حمد، تکبیر بیان کرے۔ یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ یہ کلمے زبان پر سو ہوں گے اور میزان میں قیامت کے دن ایک ہزار ہوں گے تو بتاؤ تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو دن رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرتا ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کوئی یہ کلمات کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو شیطان اس کے پاس آجاتا ہے اور طرح طرح کے خیالات، باتیں اُس کو یاد دلاتا ہے، وہ ذکر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ ذکر الٰہی ترک کر بیٹھتا ہے۔''

(۱۲)

جرعات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

اس شمارے میں ''رحیق'' کے دوشماروں کے جرعات شائع کیے جا رہے ہیں۔
ایک اداریہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی وفات پر ہے۔ مولانا بھوجیانی رحمہ اللہ اور مولانا مدنی رحمہ اللہ میں جوں کہ قیام پاکستان سے پہلے کی صلیب دشمنی کہہ لیں یا بدیشی سامراج کا بغض کہہ لیں قدرمشترک تھی۔ اس لیے مولانا نے فقہی ہم آہنگی نہ ہونے باوجود ان کے سیاسی مقام سے اپنی عقیدت کا کھلے دل سے اظہار کیا جب کہ اس طبقہ کی طرف سے اس طرح کے اظہار واعتراف کی مثال کم از کم ہمارے علم میں نہیں۔
وسعت مطالعہ کے باوجود مولانا رحمہ اللہ کی رائے تصویر، سود، بیمہ وغیرہ کے بارے میں احادیث صریحہ کے ظاہری احکام کے مطابق رہی جس میں وہ کسی تاویل، تطبیق اور تلون کے کبھی قائل نہ ہوئے۔ دوسرے جرعات اس دور کے ہیں جب تصویر کی عمومیت اس حد تک نہیں تھی جیسا کہ اب یہ کمجری الدم تک پہنچ چکی ہے۔ ایک وقت تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں جناب محمد علی جناح کی پورٹریٹ لگائی گئی تھی، اس کی نقاب کشائی کے وقت حاضرین کھڑے ہو کر اس کے آداب بجالائے تھے اور اس وقت ہمیں یہ سمجھ آ گئی تھی کہ تصویر کی حرمت کی وجہ کیا ہے۔ آج کل تصویر کو فوٹو سٹیٹ بھی کہا جا رہا ہے اور اب ہر گھر، بلکہ ہر جیب میں کرنسی نوٹوں کے علاوہ موبائل فون کی طفیل کم وبیش ہر جیب میں پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اس اضطراری گناہ کو معاف فرمائے تاہم کسی گناہ کے عام ہو جانے، اس کی معصیت میں کمی کم از کم ہمارے علم میں نہیں۔ بہرحال معصیت کو معصیت ہی جاننا چاہیے۔ چاہے وہ فنون لطیفہ کے نام پر ہو یا آرٹ کے نام پر۔ آخر میں ''الفرقان'' لکھنو (ہند) سے نقل کردہ اقتباس اہل ایمان کے لیے بہت چشم کشا ہے۔ (احمد شاکر)

(۱۳)

آہ مولانا مدنی!

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

ہند و پاک کے مذہبی، علمی، خانقاہی اور سیاسی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ سنی گئی کہ سینکڑوں علماء کے استاد، ہزاروں صلحاء کے مخدوم، لاکھوں انسانوں کے مرجع عقیدت مولانا حسین احمد صاحب مدنی طویل علالت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵/دسمبر ۱۹۵۷ء) کو انتقال فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

مولانا میں اتنے اوصاف جمع تھے جن کا اس سیاست زدہ دور میں ایک جگہ پایا جانا مشکل ہے۔ مذہب، سیاست، تصوف اور حُسن اَخلاق کی حسین آمیزش کے حامل تھے۔ ادھر مسند تدریس پر حدیث پاک کی تدریس میں انہماک ہے تو سٹیج پر سیاسیات حاضرہ پر مناسب حال تقریر بھی فرما دی ہے۔ خلوت میں حق تعالیٰ سے راز ونیاز ہے تو مجالس سیاسیہ میں ملکی مسائل پر گفتگو میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔

مولانا مرحوم کی زندگی اگر اس امر کی شہادت تھی کہ مذہب کے ساتھ سیاست بھی چل سکتی ہے تو اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اسلامی سیاست وہی ہو سکتی ہے جو کتاب وسنت کی نگرانی میں ہو۔ اور یہ نتیجہ تھا حدیث پاک سے تعلق کا، اس کی تدریسی مزاولت کا، اور سارے شعبہ ہائے زندگی میں اس پر عمل سے شغف کا۔

پہلی جنگ عظیم کے آخری ایام میں انگریز سے آئینی لڑائی کے لیے مسلمانوں کا جو ہراول دستہ، جن میں حنفی اور اہل حدیث علمائے قدیم وتعلیم یافتگان جدید سب ہی شریک تھے، آگے آیا تھا، اس میں

علمائے دیوبند سے مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم کے بعد آپ ہی کی شخصیت نمایاں تھی۔

مالٹا کی اسیری، کراچی کا مقدمہ بغاوت، جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت، قید وبند کے مصائب، سب مراحل طے ہوتے گئے۔ ہندوستان آزاد ہوگیا۔ مولانا ان خوش قسمت لوگوں سے ہیں جنھوں نے انگریز کو ہندوستان سے اپنی آنکھوں جاتا دیکھ لیا۔

آزادی کے بعد مسلمانانِ ہند جن حالات سے دوچار ہیں ان میں، نظریہ اسباب ظاہرہ، مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد مولانا مرحوم ان کا بہت بڑا سہارا تھے۔ اس اعتبار سے بھی آپ کی جدائی قوم کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

آپ نے سالہا سال تک والہانہ انداز سے حدیث پاک کا درس دیا۔ حنفی مسلک پر تصلب کو قائم رکھا اور اس کی خوب خوب تبلیغ فرمائی۔ بزرگانِ دیوبند کی روایات کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ افسوس ہے کہ بہمہ وجوہ قاسمی نظریات کی حامل یہ آخری شمع بھی اب خاموش ہے۔ غفر الله له وبرد مضجعه.

داغِ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ''تھی'' سو وہ بھی خموش ہے

(ماہنامہ ''رحیق''۔ جلد:۲، شمارہ:۶۔ مجریہ جنوری ۱۹۵۸ء)

---

(۱۴)

اسلام کے نام پر بنائے گئے نئے ملک ''پاکستان'' پر مسلط ٹولے کا ایک تازہ کارنامہ ہے کہ بعض نوٹوں پر مسٹر محمد علی جناح کی تصویر چھاپ دی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصوری جاہلی قوموں کی تہذیب کا ایک اہم عنصر ہے۔ اسلامی تہذیب سے نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اس کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کو جس کا خاص اہتمام تھا۔ جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہے:

"عن علي، قال: كان رسول الله ﷺ في جنازة فقال: ((أيكم ينطلق إلى المدينة فلا يدع بها وثنا إلا كسره، ولا قبرا الا سواه، ولا صورة إلا لطخها وفي رواية ((طلخها)) فقال علي: أنا أنطلق يا رسول الله! قال: ((فانطلق.)) فانطلق ثم رجع فقال: يا رسول الله! لم أدع بها وثنا إلا كسرته ولا قبرا إلا سويته ولا صورة إلا لطختها وفي رواية طلختها، ثم قال رسول الله ﷺ: ((من عاد لصنعة شيء من هذا فقد كفر بما أنزل على محمد ﷺ.))

(مسند إمام أحمد بإسناد حسن: ۲/ ۶۹، ۲۷۴)

یعنی ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اونچی قبر ڈھا کر درست کردی جائے، ہر بت کو توڑ ڈالا جائے اور ہر تصویر کو مسخ کردیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ اس حکم کو نافذ کرکے واپس خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: حضور ہر اونچی قبر کو میں نے ڈھا کر درست کردیا، اور ہر بت کو مسمار کردیا ہے اور ہر تصویر کو مسخ کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ فرمایا: ''(بس ٹھیک ہے۔) اس قسم کے کام (فنون لطیفہ) کو آئندہ جو کوئی ''زندہ'' کرے گا وہ شریعت محمدی کا انکاری ہے۔''

اس قسم کی احادیث تواتر معنوی کے درجے پر پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر یہ مسئلہ اہل سنت کے مکاتب فکر کا متفق ہے۔ کسی بھی مسلک کا اس میں اختلاف نہیں کہ جانداروں کی تصویر سازی اور اس کا استعمال دونوں ممنوع ہیں۔

بعض نئے ''مجتہدین'' کی اُپج یہ ہے کہ تصویر اور فوٹو میں فرق ہے۔ اسلام نے تصویر سے منع کیا ہے لیکن ''فوٹو'' سے نہیں۔ مگر قطع نظر اس کے کہ یہ فرق صرف موہومی ہے، عرض یہ ہے کہ نتیجہ تو دونوں کا ''مظاہر پرستی'' ہی ہے۔ افسوس کہ علماء پر ''ظواہر پرستی'' کا الزام دھرنے والے خود بت پرستوں کی تقلید کرتے ہوئے مظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور اس کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہیں۔

ایک مغالطہ یہ دیا گیا ہے کہ مصر وغیرہ مسلمان ملکوں میں تصویر

سازی رواج پذیر ہے۔تو اس کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل کے الفاظ میں گزارش ہے:

"أعطوني شيئا من كتاب الله أو سنة رسوله حتى أقول به ." (تاريخ الإسلام لذهبی، ص: ٩٤ طبع أحمد شاكر)

اس پر قرآن وحدیث سے دلیل کی ضرورت ہے۔ ہما وشما کے اقوال کی کیا حیثیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں بھی ان کے قائل وفاعل وہی چند حضرات ہیں جو مغرب کی بت پرست تہذیب سے مرعوب اور اس سے متاثر ہیں۔ ورنہ جہاں تک مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق ہے، وہ اس سے نفرت کرتے ہیں، چنانچہ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ حکومت پاکستان پر قابض گروہ کی اس حرکت کو جمہور مسلمانوں نے سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر احتجاج کیا ہے۔کیا جمہوریت کے دعوے دار اِس پر غور کریں گے۔

پچھلے دنوں ایک کتاب" What Happened in History "یعنی"تاریخ کے حوادثات" انگریزی میں شائع ہوئی ہے جس میں بڑی تحقیق اور کاوش سے ان اقوام کے مذہبی خیالات، عقائد، رسوم،علم الاصنام،خرافات، اوہام پرستی اور ایک اَن دیکھی ہستی کے تصورات پر بحث کی گئی ہے۔ جو زمانہ تاریخ سے پہلے گزر چکی ہیں اور جن کے حالات کا سراغ ،کتبوں، قدیم اوزاروں، برتنوں، مقابر اور دوسری چیزوں سے نکالا گیا ہے۔

اس کے بعد مصنف (V.Gordonchilo) نے اسلام کی بعض خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے فوٹو پرستی پر بھی تبصرہ کیا ہے جو بہ شکریہ"الفرقان" (لکھنو) حسب ذیل ہے:

"ہماری مہذب دنیا میں فنون لطیفہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ آرٹ ہماری سوسائٹی کا ایک عظیم جزو بن چکا ہے مگر دنیا کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ قرآن میں آرٹ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔جن لوگوں نے جمالیات میں زندگی گزاری ہے اور جنھیں اسے ترقی دینے پر فخر ہے وہ یقیناً اسلام سے مایوس ہوں گے کہ اس میں ان کے ذوق کی یہ چیز نہیں ہے۔ لیکن داد دینی پڑتی ہے قرآن کو کہ اس نے سیرت کی ان تمام برائیوں کو چیلنج کیا ہے جو آرٹ کے نام سے آج ہماری سوسائٹی کو گمراہ کر رہی ہیں اور اس اصلاحی وتنقیدی قرآنی تحریک کی قدر اُس وقت معلوم ہوگی جب ایک طویل زمانے کے بعد آرٹ کی برائیاں زندگی کی سطح پر آجائیں گی اور ہماری نئی نسلوں کو گھن لگا دیں گی۔ ہمارا آرٹ کیا ہے؟ ذہن کی بے راہ روی، اخلاق کی کجی، ذوق کی شوریدگی، جنسی انارکی، ہوس کی آرزو اور پرانی برائیوں کو چھپانے کی ایک ترکیب۔قرآن نے بت پرستی کی تردید اور مذمت کرکے آرٹ کی آدھی عمارت کو مسمار کر دیا کیوں کہ آرٹ کا بہت بڑا حصہ قدیم زمانے کے بتوں اور تصویروں کی ایک شرمناک یادگار ہے اور ان جنسی تعلقات کی یاد ہانی کراتا ہے جن پر جمالیات کا خول چڑھا ہوا ہے۔قرآن حسن فطرت کا آئینہ تو ہے،فحش کاری کا معلّم نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں آج کل فنونِ لطیفہ کی بڑی قدر ہے لیکن وقت آئے گا کہ آرٹ کی برائیاں ظاہر ہوں گی اور قرآن کی پیش بینی ایک حقیقت بن کر سامنے آئے گی۔"

(ماہنامہ"رحیق"۔جلد:۲،شمارہ:۷۔مجریہ فروری ۱۹۵۸ء)



حضرت مولانا فضل الرحمٰن الازہری کی اہلیہ کی شدید علالت

حضرت مولانا فضل الرحمٰن الازہری (خطیب جامع مسجد رحمانیہ سنت نگر، لاہور) کی اہلیہ محترمہ شدید علیل ہیں۔سی ایم ایچ ہسپتال لاہور میں زیر علاج ہیں۔احباب جماعت موصوفہ کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لیے خصوصی دعائے صحت فرمائیں۔(ادارہ)

افتاء

میت کو غسل دینے کے متعلق احکام و مسائل

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ...... مولانا عبد الرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ

سوال: میت کو غسل دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔ جزاکم اللہ

(محمد اسماعیل بلوچ، چک ۱۳۱ ۵ گ، ب)

جواب: جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کریں تو اس کے کپڑے اُتار دیں مگر بدن کا جتنا حصہ زندگی میں چھپانا ضروری ہے اس کو بے ستر نہ کریں، پھر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اُس کا استنجا کرائیں اور بدن پر جہاں کہیں نجاست ہو تو اس کو بھی پاک کریں۔ وضو کرائیں اور سر کے بال اور داڑھی کو ختمی یا کسی اور صاف کرنے والی چیز (صابون وغیرہ) سے صاف کریں، اور اگر میت عورت ہو تو اس کے سر کی چوٹیوں کو کھول کر اُس کا سر دھوئیں۔ پھر تین بار پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیں۔ اگر تین بار سے زیادہ غسل دینے کی ضرورت محسوس ہو تو پانچ دفعہ غسل دیں۔ اگر پانچ سے بھی زیادہ کی ضرورت محسوس ہو تو سات مرتبہ غسل دیں مگر طاق ہو اور غسل دینا داہنی طرف سے شروع کریں۔ اور تمام صورتوں میں آخری دفعہ کے غسل میں کافور ملائیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ اگر تم کو ضرورت معلوم ہو، اور اخیر غسل میں کافور ڈالو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی داہنی طرف سے اور وضو کی جگہوں سے شروع کرو۔ نرمی اور آہستگی سے غسل دیں اور میت سے کوئی مکروہ اور عیب دار چیز نظر آئے تو اس کو چھپائیں اور لوگوں میں مشہور نہ کریں۔ اور جس مکان میں غسل دیں وہاں پر پردہ کر لیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مردوں کی خوبیوں کو بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (ابوداود، ترمذی بحوالہ مشکاۃ: ۱/۱۴۷)

علماء لکھتے ہیں کہ غسل دینے والا کوئی اچھی بات دیکھے، مثلاً: اس کے چہرے کا چمکنا یا روشن ہونا یا اس سے خوشبو کی مہک آنا تو یہ باتیں لوگوں سے بیان کرے اور اگر کوئی مکروہ بات دیکھے، مثلاً: اس کے چہرے یا بدن کا سیاہ ہو جانا یا اس کی شکل وصورت کا بدل جانا یا اس سے بدبو آنا تو لوگوں سے ظاہر کرنا جائز نہیں۔

فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کے لیے تخت یا چارپائی پر پہلے بائیں کروٹ لٹایا جائے تاکہ غسل دینے میں داہنی طرف سے ابتدا ہو، پھر غسل دیا جائے یہاں تک کہ اوپر سے نیچے تک تمام بدن کا غسل ہو جائے، یہ ایک غسل ہوا۔ پھر داہنی طرف لٹا کر اسی طرح غسل دیں، یہ دوسرا غسل ہوا۔ پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر اسی طرح غسل دیں یہ تیرا غسل ہوا۔

(کتاب الجنائز از محدث عبد الرحمٰن مبارکپوری، ص: ۲۵، ۲۶)

اگر تین دفعہ غسل دینے کے بعد شرمگاہ سے کوئی غلاظت خارج ہو تو امام حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دھو دینا کافی ہے، پھر غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ علمائے احناف کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ تین بار غسل دیا جائے۔

اگر تین بار غسل دینے کے بعد کوئی چیز خارج ہو تو پانچ بار غسل دیا جائے۔ اور اگر پانچ بار غسل دینے کے بعد کوئی شے خارج ہو تو سات بار غسل دیا جائے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ وہ جلیل القدر شخصیت ہیں جو تجہیز و تکفین کے احکام و مسائل کو تمام تابعین سے زیادہ جاننے والے تھے اور انھوں نے غسل دینے کا طریقہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے دیکھا تھا۔ (عون المعبود شرح سنن أبي داود: ۱۶۶/۳)

سوال: غسل کے وقت میت کا منہ کس طرف ہونا چاہیے؟ (محمد اسماعیل بلوچ ولد مولوی محمد حسین)

جواب: اس کے متعلق احادیث رسول ﷺ میں کچھ نہیں آیا لیکن بعض کے نزدیک میت قبلہ رخ ہونی چاہیے اور بعض کہتے ہیں کہ میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔

سوال: کیا کسی حدیث میں سات دفعہ میت کو غسل دینے کا ثبوت موجود ہے؟ (محمد اسماعیل بلوچ ولد مولوی محمد حسین)

جواب: ہاں، صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو سبعا أو أكثر من ذلك أن رأيتن ذلك.)) (صحیح بخاري: ۱۸۱۶۸، صحیح مسلم: ۳۰۵/۱)

''حضرت امّ عطیہ (نسیبہ) رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بڑی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کو تین بار یا پانچ یا سات بار غسل دیں یا اس سے بھی زیادہ اگر تم اس کی ضرورت محسوس کرو۔''

فائدہ (۱): حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا بڑی فاضلہ صحابیہ تھیں اور تقریباً یہی بی بی فوت شدہ صحابیات کو غسل دیا کرتی تھیں۔

(شرح مسلم للنووي: ۳۰۴/۱)

فائدہ (۲): حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوا کہ حسب ضرورت میت کو سات بار غسل دینا جائز ہے۔

فائدہ (۳): اگر کافور اور بیری کے پتے دستیاب نہ ہوں تو ویسے ہی سادہ گرم پانی سے غسل دے دیا جائے، قرآنِ مجید میں ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰهَا﴾ [الطلاق: ۸]

غسل کون دے؟

کوئی متدین آدمی، جو راز دار ہو، غسل دے۔ اس لیے اگر شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کو غسل دے تو بہت ہی اچھا بلکہ مسنون اور ماثور ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

شوہر کا بیوی کو غسل دینا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازے سے واپس تشریف لائے تو اس وقت میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور وا رأسا وا رأسا کہے جا رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما ضرك لو مت قبلي فغسلتك وكفنتك ودفنتك.)) (سنن ابن ماجه، ص: ۱۰۵ وسنن دارمي بحواله مشكاة، ص: ۵۴۹)

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیوں فکر مند ہو؟ اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو میں بنفس نفیس تجھے غسل دوں گا اور کفن اڑھاؤں گا اور دفن کروں گا۔''

نیز ملاحظہ فرمائیں المحلی لابن حزم (۱۷۵/۵) لہٰذا مولانا اشرف علی تھانوی اور ڈاکٹر عبدالحی صدیقی عارفی وغیرہ علمائے احناف کا یہ فتویٰ کہ شوہر اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا، حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سیّدہ فاطمۃ الزاہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود غسل دیا تھا۔

بیوی کا شوہر کو غسل دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افسوس کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"لو كنت استقبلت من أمري ما استدبرت ما غسل النبي ﷺ الإنساءه."

(ابن ماجه: ۱/ ۱۵۵)

''اگر وہ بات مجھے پہلے سوجھ جاتی جس کا مجھے بعد میں خیال آیا تو آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی بیویوں کے سوا اور کوئی

شخص غسل نہ دیتا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں غسل دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ٤٦/٣۔ تاریخ ابن خلدون: ٢٧٥/٢۔ تاریخ الخلفاء، ص: ٧٠ اور شرح السنة، ج: ١، كتاب الجنائز۔ السنن للدارقطني: ٧٩/٢)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود غسل دیا۔ (نيل الأوطار: ٢٧/٤)

غیر محرم مرد اور غیر محرم عورت کا ایک دوسرے کو غسل دینا:

اگر مرد کسی ایسی جگہ مر جائے جہاں غیر محرم عورتوں کے سوا کوئی دوسرا مرد موجود نہ ہو یا کوئی عورت فوت ہو جائے کہ غیر محرم مردوں کے سوا کوئی عورت موجود نہ ہو تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت حال میں اس مرد اور عورت کو غسل کے بجائے تیمّم کرا دیا جائے۔ مگر امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں غیر محرم مرد غیر محرم عورت کو اور غیر محرم عورت غیر محرم مرد کو غسل دے سکتی ہے مگر تیمّم جائز نہیں، وہ لکھتے ہیں:

"لو مات رجل بين نساء لا رجل معهن، أو ماتت امرة بين رجال لا نساء معهم، غسل النساء الرجل وغسل الرجال المرأة على ثوب كثيف، يصب الماء على جميع الجسد دون مباشرة اليد." (المحلی لابن حزم: ٥/ ١٧٦)

"اگر مرد مر جائے اور وہاں غیر محرم عورتوں کے سوا کوئی مرد نہ ہو اور اگر عورت مر جائے اور وہاں غیر محرم مردوں کے سوا کوئی عورت نہ ہو تو اس حالت میں غیر محرم عورت مرد کو اور مرد غیر محرم عورت کو غسل دے سکتے ہیں۔ اس صورت میں میت پر موٹا کپڑا ڈالا جائے اور ملے بغیر پانی بہایا جائے۔ (غسل فرض ہے، وہ صرف پانی بہانے سے حاصل ہوسکتا ہے، تیمّم کافی نہیں۔)"

سوال: بم دھماکے میں کٹے پھٹے انسانی جسم کے اعضاء کو غسل دیا جائے گا یا بغیر غسل کے دفن کرنا ہوگا۔ (مزمل حسین طاہر)

جواب: ایسی صورت حال میں انسانی جسم کے اعضاء کو غسل دینا چاہیے۔ غسل دیے بغیر ان کی تکفین وتدفین جائز نہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ويصلى على ما وجد من الميت المسلم، ولو أنه ظفراً وشعر فما فوق ذلك، ويغسل ويكفن. (المحلی: ٣٨/٥)

"مسلمان میت کے اگر صرف ناخن یا بال ہوں تو نہ صرف ان کا جنازہ پڑھا جائے گا بلکہ ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی پہنانا ہوگا۔"

مغنی ابن قدامہ (۲۰۹/۲) میں ہے:

"فإن لم يوجد إلا لبعض الميت فالمذهب أنه يغسل ويصلي عليه، وهو قول الشافعي."

"اگر مسلم میت کے جسم کا کوئی عضو، مثلاً: ہاتھ یا پاؤں یا سر یا ٹانگ ہی ہو تو اس کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔"

اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ احتیاط اسی میں ہے۔

اگر غسل سے میت کے بکھرنے کا خطرہ ہو؟

اگر غسل دینے سے میت کے جسم کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو جیسے چیچک کے عارضے میں مرنے والا یا ڈوب کر یا آگ میں جل کر فوت ہونے تو ایسے مردہ کو مل کر غسل نہ دیا جائے بلکہ اس پر پانی بہا دینا کافی ہے۔ اگر پانی بہانے سے بھی میت کی ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ ہو تو اس صورت میں تیمّم کرا دیا جائے۔

(مغني ابن قدامه: ٢٠٩/٢)

اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمّم کرا دیا جائے جیسا کہ پانی میسر نہ ہونے کی صورت میں جنبی تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص بعد میں آئے جب نماز جنازہ کی کچھ تکبیریں ہو چکی ہوں تو وہ کہاں سے شروع کرے؟ (ولی اللہ خان)

جواب: وہ فوت شدہ تکبیروں کی قضا کرے:

"عن مالك أنه سأل ابن شهاب (الزهري) عن الرجل يدرك بعض التكبير على الجنازة ويفوت بعضه فقال: يقضي ما فاته من ذلك."

(موطأ إمام مالك، ص: ۲۰۹)

یعنی امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ مسئلہ امام زہری رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے جواباً فرمایا کہ اس آنے والے کی جو تکبیریں رہ جائیں وہ ان کی قضا کرے (یعنی امام کے سلام کے بعد وہ پوری کرے۔)

امام زہری کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مأ ادرکتم فصلوا وما فاتکم فأتموا.))

(صحيح بخاري: ۱/ ۱۸۸)

یعنی جو امام کے ساتھ پالو اُسے پڑھ لو اور جو رہ جائے تو اس کو پورا کرو۔

امام ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم (المتوفی ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"من فاته بعض التكبيرات على الجنازة كبر ساعة يأتي، ولا ينتظر تكبير الإمام، فإذا سلم الإمام أتم هو ما بقي من التكبير يدعوا بين تكبيرة وتكبيرة كما كان يفعل مع الإمام لقول رسول الله فيمن أتى إلى الصلاة أن يصلي ما أدرك ويتم ما فاته وهذه صلاة وما عدا هذا فقول فاسد لا دليل على صحته، لا من نص ولا من قياس ولا قول صاحب."

(المحلى لابن حزم: ۵/ ۱۷۹)

''وہ شخص جو امام کے ساتھ بعض تکبیرات پا نہ سکے وہ آتے ہی تکبیر کہے، امام کی تکبیر کا انتظار نہ کرے۔ جب امام سلام پھیرے تو باقی ماندہ تکبیریں بالترتیب پوری کرلے اور ان میں دعائیں وغیرہ پڑھتا رہے جیسا کہ امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص پوری نماز باجماعت نہ پا سکے تو جتنی نماز امام کے ساتھ پائے وہ پڑھے، جو رہ گئی ہے اس کو پورا کرے۔ چونکہ نماز جنازہ بھی نماز ہے، لہٰذا اِس میں بھی اسی طرح کرنا چاہیے۔ اس طریقے کے برعکس جو کچھ آراء ہیں وہ سب فاسد ہیں۔ ان کی صحت پر بطور دلیل نہ تو کتاب وسنت میں سے کوئی نص ہے، نہ قیاس اور نہ کسی صحابی کا قول موجود ہے۔''

سوال: اگر میت کے ناخن اور بال وغیرہ بڑھے ہوں تو کیا ان کو صاف کر دینا چاہیے یا یوں ہی غسل دے کر کفنا دیا جائے۔

(محمد اسحاق ولد ثناء اللہ، چک ۵۳۱ گ، ب)

جواب: اگر میت کے ناخن اور لبیں بڑھ گئی ہوں تو ناخنوں کو تراشا جائے اور لبیں کٹوائی جائیں، موئے زہار (زیر ناف بال) بڑھے ہوئے ہوں تو ان کو صاف کرا دیا جائے کیونکہ یہ امور فطرت میں داخل ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

قال رسول الله ﷺ: ((عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، والاستنشاق بالمآء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص المآء يعني الاستنجاء بالمآء.)) قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا تكون المضمضة. (سنن أبي داود: ۱/ ۹ وفي سنن النسائي عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((خمس من الفطرة: قص الشارب، ونتف الإبط، وتقليم الأظفار، والاستحداد، والختان، سنن نسائي:

(۱/۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسب ذیل دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں: لبوں کا کاٹنا، داڑھی کو بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخنوں کا کاٹنا، انگلیوں کے پوروں کو اچھی طرح دھونا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بالوں کو مونڈنا اور پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔'' مگر حدیث کے راوی مصعب دسویں چیز بھول گئے۔ ان کے مطابق وہ منہ کی کلی ہے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ دسویں چیز ختنہ ہے جیسا کہ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ختنے کی تصریح موجود ہے۔

اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ایک شخص کو ربّ تعالیٰ کے حضور بھیجنے کے لیے تیار کیا جائے تو اس کی حالت فطرت کے خلاف ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما میت کو تیار کرتے وقت اگر اس کے زیر ناف بال بڑھے ہوتے تو ان کو مونڈ دیتے تھے۔ ناخنوں کو لینا اور لبوں کو کٹوانا بھی فطرت میں داخل ہے۔

(المحلی لابن حزم: ۵/ ۱۷۷)

مذکورہ بالا احادیث اور مجدد وقت وفخر اندلس نامور محدث وفقیہ امام ابن حزم کی تحقیق کے مطابق میت کی حجامت بنانا بلاشبہ ضروری ہے۔

(مولانا مفتی محمد عبیداللہ خاں عفیف حفظہ اللہ)

☆..........☆..........☆

سوال: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول:

"يباشرني وأنا حائض."

''آپ ﷺ مجھ سے ایام مخصوصہ میں مباشرت کر لیا کرتے تھے۔''

کا صحیح مطلب کیا ہے؟ کیوں کہ بہت سے منکرینِ حدیث اس کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہنوں میں کتبِ احادیث بالخصوص بخاری شریف کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات ڈالتے ہیں، لہٰذا مہربانی فرما کر اس حدیث کی وضاحت کر دیجیے۔

جواب: لفظ مباشرت عربی زبان کے لفظ بَشَـرَةٌ (آدمی کی ظاہری جلد) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے:

((أنقوا البشرة.))

''(غسل جنابت میں) اپنی جلد صاف کیا کرو۔''

اسی سے بشارت (خوش خبری) کا لفظ ہے کیوں کہ خوش خبری سے انسان کے چہرے کی ظاہری جلد پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

اس لغوی تحلیل سے پتا چلا کہ مباشرت کا اصل معنی ہے کہ جلد کو جلد کے ساتھ ملانا۔ اور یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس میں عموماً مشارکت ہوتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ مرد کی جلد کا عورت کی جلد کے ساتھ مس ہونا اور عورت کی جلد کا مرد کی جلد کے ساتھ مس ہونا۔ اسی لیے عربی لغت کی مشہور کتاب "المصباح المنير" میں لکھا ہوا ہے:

"باشر زوجته أي تمتع بجلدها."

''فلاں شخص نے اپنی بیوی سے مباشرت کی'' کا مطلب ہے کہ اس نے بیوی کی جلد سے لذت لی۔''

درج ذیل حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے:

((لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها.))

یعنی کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ اس طرح نہ چمٹے کہ انھوں نے کپڑے اُتارے ہوں، مبادا وہ عورت اپنے خاوند کو اس کے محاسن بیان کرے۔

اسی طرح جماع کے بغیر صرف بدن کے ساتھ بدن لگانے کے معنی میں لفظ مباشرت کے وارد ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم میں سے جب کسی کو ایام مخصوصہ آتے تو آپ ﷺ کا اگر یہ ارادہ ہوتا کہ اس کے بدن کے ساتھ بدن لگائیں تو اسے حکم صادر فرماتے کہ وہ تہ بند باندھ لے، پھر آپ ﷺ

اس کے بدن کے ساتھ بدن لگا لیتے۔'' (بخاری:۱/۴۴)

اس جگہ ام المومنین نے لفظ "یباشرھا" اور "یباشرنی" استعمال کیا ہے اور مراد اِس سے وہی ہے جو ترجمے میں بیان ہوا ہے۔ اور اس پر قوی قرینہ یہ ہے کہ:

"وأيكم يملك إربه كما كان النبي ﷺ يملك إربه." (بخاري: ١/ ٤٤)

''تم میں سے کون ہے جو اپنی خواہش پر اس طرح کنٹرول کر سکتا ہے جس طرح آپ ﷺ کنٹرول کر لیا کرتے تھے۔''

اس سے واضح طور پر پتا چلا کہ جماع کے بغیر صرف بدن کے ساتھ بدن لگانے کو بھی مباشرت کہا جاتا ہے، بلکہ لفظ کا اصلی لغوی معنی یہی ہے۔

پھر چونکہ جماع میں بھی بدن کے ساتھ بدن مس ہوتا ہے، اس لیے وہاں بھی یہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔قرائن سے معنی کا تعین ہو جاتا ہے۔

صحیح بخاری کے اسی مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لفظ مباشرت کی وضاحت کی ہے کہ اس جگہ اس سے مراد صرف بدن کے ساتھ بدن ملانا ہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"المراد بالمباشرة هنا: التقاء البشرتين، لا الجماع."

''اس جگہ مباشرت سے صرف دو جلدوں کا ملنا مراد ہے۔ جماع مراد نہیں۔''

اس بات کو مزید سمجھنے کے لیے کہ مباشرت اور وطی (جماع) میں فرق ہے، علامہ ابن رشد قرطبی کی کتاب بداية المجتهد (۳۸/۲) میں مذکور اس مسئلے کو بھی مدنظر رکھیں کہ فقہاء کا اس بارے تو اتفاق ہے کہ اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ وطی (جماع) کرنے سے اس کی بیٹی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے، وہ اس سے کبھی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔لیکن اگر وہ جماع کے بغیر اس کے ساتھ مباشرت کر لے تو کیا اس کی بیٹی اس پر حرام ہو گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

پھر مباشرت کی مثالیں انھوں نے یہ دی ہیں:

① اللمس: یعنی عورت کے بدن کو چھونا۔

② النظر إلى الفرج: یعنی شرم گاہ کی طرف (شہوت یا غیر شہوت سے) دیکھنا۔

③ کسی بھی عضو کی طرف تلذذ سے دیکھنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماع کے بغیر بھی مباشرت کا وجود ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ مباشرت کے عام (غیر لغوی) استعمال میں جلد کا جلد سے متصل ہونا ضروری نہیں بلکہ کسی بھی چیز کا کسی چیز کے ساتھ، خواہ حسی طور پر ہو، یا معنوی طور پر، بغیر حائل کے ملنے پر اس کا اطلاق ہو جاتا ہے، چنانچہ امام النحو واللغہ ابن مالک رحمہ اللہ نحو کی مشہور کتاب "ألفية" میں فرماتے ہیں ۔

وفعل أمر ومضي بنيا
وأعربوا مضارعا إن عريا
من نون توكيد مباشر ومن
نون إناث كير عن من فتن

اس جگہ لفظِ ''مباشر'' سے متصل یعنی ساتھ ملنے والا نون تاکید مراد ہے جیسا کہ "ألفية" کے شارح علامہ ابن عقیل رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ (شرح ابن عقیل:۳۹/۱)

ممکن ہے کہ کوئی بے دانش منکرِ حدیث اس مقام پر بھی مباشر کا معنی مجامع (جماع کرنے والا) کر جائے۔

اب اس سے واضح طور پر پتا چلا کہ وطی (جماع) اور مباشرت میں تساوی کی نسبت نہیں ہے، پس لفظ مباشرت عام ہے۔ اور منکرین حدیث عوام کو محض مغالطہ دے کر حدیث نبوی سے نفرت دلاتے ہیں۔ هداهم الله. (مولانا عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ)



سیرت خلفائے راشدین

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز خطبہ

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف حفظہ اللہ

اس ایمان افروز اور عقیدہ سدھار خطبے سے جہاں خلیفۂ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت جھلک رہی ہے وہاں یہ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حق گوئی، صدق بیانی، حقیقت طرازی اور راست بازی کا بھی شاہکار ہے۔ پڑھیے اور ان دونوں بزرگوں میں باہمی الفت ومحبت اور یگانگت کا اندازہ لگائیے۔ (عفیف)

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گزر ایک جماعت کی طرف (کوفہ میں) ہوا، جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے اور ان کی شان میں کچھ نقص ظاہر کرتے تھے، پس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے بیان کیا کہ یا امیر المومنین! آپ رضی اللہ عنہ کے چند لشکریوں کی طرف میرا گزر ہوا تو وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسی باتیں بیان کر رہے تھے جو اُن دونوں بزرگوں کی رفعتِ شان کے لائق نہیں ہیں۔ اور شاید ان کو یہ جرأت اس گمان پر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی ان بزرگوں کی طرف سے یہی خیال ہے، ورنہ علانیہ اس طرح کیوں کر بیان کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ اس امر سے کہ میں ان کے بارے میں اپنے دل میں کوئی برائی مضمر کروں بلکہ میں تو ان کے متعلق اپنے دل میں وہی محبت رکھتا ہوں جو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہے۔ اور جو کوئی ان کی طرف سے، سوائے بہتری وخوبی کے، کوئی بات اپنے دل میں چھپائے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وہ دونوں تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی، برادر اور وزیر تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

پھر اسی طرح آبدیدہ روتے روتے اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر مسجد میں داخل ہو کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اچھی طرح تمکن سے اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت اپنی سفید ریش (داڑھی) ہاتھ میں لیے ہوئے ریش کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ آ کر آپ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوئے، پھر کھڑے ہو کر آپ رضی اللہ عنہ نے مختصر موجز اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا کہ بعض اقوام کی یہ کیا حرکت ہے کہ وہ (حضرت) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو، جو قریش (مہاجرین) کے سردار اور مسلمانوں کے باپ ہیں، ایسے نقص سے ذکر کرتے ہیں جس سے میں بری اور بیزار ہوں اور ان لوگوں کو ایسی گفتگو پر سزا دوں گا۔ خبردار! قسم ہے اس پاک ذات عزوجل کی جس نے دانہ اُگایا اور انسان کو پیدا فرمایا ہے، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے وہی محبت کرے گا جو مومن متقی ہے اور ان دونوں سے وہی شخص بغض رکھے گا جو فاجر ہے۔ ان دونوں نے کامل صدق ووفا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حق صحبت ادا کیا، پھر کبھی رسول اللہ ﷺ کی رائے وحکم سے تجاوز نہ کیا۔ درآں حالیکہ امر بالمعروف کرتے اور منکر سے منع کرتے رہے۔ اور غصہ بھی کرتے اور سزا بھی دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی رائے سامی سے ہرگز تجاوز نہ کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کی رائے کے مثل کسی دوسرے کی رائے نہیں دیکھتے تھے (یعنی ان دونوں کی رائے پر کسی اور کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے تھے کیوں کہ یہ دونوں بزرگ اِصابتِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ ان دونوں سے جیسی محبت کرتے تھے ویسی کسی سے نہیں رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں سفر آخرت اختیار فرمایا کہ ان

دونوں سے بہت راضی تھے۔ (راضی کیوں نہ ہوتے کہ ان دونوں نے اطاعت گزاری اور وفاداری کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا تھا۔ پھر ان دونوں نے اس حالت میں سفرِ آخرت اختیار کیا کہ سب مومنین ان سے بہت راضی تھے (کیوں کہ ان دونوں نے الخلافة علی منهاج النبوة کے تقاضوں کی تکمیل میں جدوجہد کی انتہا کر دی۔

جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے (یعنی مرض وفات) تو ابوبکر ؓ کو حکم دیا کہ مومنوں کو نماز پڑھائیں۔ پس رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نو دن تک ابوبکر ؓ نے مومنوں کو نماز پڑھائی۔ (جب کہ میں حاضر تھا، غائب نہ تھا۔ تندرست تھا، بیمار نہ تھا۔) (تاریخ الخلفاء)

اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں کی نعمت آپ ﷺ کے لیے پسند فرمائی تو مومنوں نے ابوبکر کو اپنا متولی اور خلیفۂ رسول ﷺ (بلا فصل) بنایا اور (مثل رسول اللہ کے) ابوبکر ؓ کو زکاۃ سپرد کی اور خوشی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت جس میں کسی قسم کی زبردستی ہرگز نہ تھی۔ اور میں بنی عبدالمطلب میں سے پہلا شخص ہوں جس نے ابوبکر ؓ کے ہاتھ پر بیعت کا طریقہ شروع کیا باوجودیکہ ابوبکر ؓ کو خود اس خلافت کی خوشی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم سے کوئی شخص اس کام کی ذمہ داری لے۔ اللہ کی قسم! ابوبکر ؓ کی شان یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد (میرے سمیت) جو لوگ باقی رہے تھے، ابوبکر ؓ سب سے افضل اور بہتر تھے، سب سے بڑھ کر رحیم تھے اور رافت میں سب سے افضل تھے اور تقویٰ و دیانت میں سب سے بڑھ کر پرہیزگار تھے۔ اور بعد رسول اللہ ﷺ کے عمر میں بھی باقیوں سے بڑے تھے۔ اور ایمان لانے میں بھی سب سے مقدم تھے اور رافت و رحمت میں ابوبکر ؓ ایسی فضیلت رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو میکائیل فرشتے سے مشابہ فرمایا اور عفو و وقار میں ایسے بہتر تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہ فرمایا۔

ابوبکر ؓ رسول اللہ ﷺ کے قدم بہ قدم چلتے رہے یہاں تک اسی طریقے پر چل کر منزل مقصود کو چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر ان کے بعد عمر بن خطاب ؓ خلیفہ ہوئے اور میں ان لوگوں میں سے تھا جو اُن کے خلیفہ ہونے پر پہلے سے راضی تھے۔ پس عمر ؓ نے خلافت کے نظام کو حضرت رسول اللہ ﷺ کے اور ان کے یارِ غار کے طریقے پر بہ احسن وجوہ بہت ٹھیک قائم رکھا۔ ہر ایک معاملے میں انھی دونوں سابقین کے نشانِ قدم پر چلتے رہے جیسے اونٹنی کے پیچھے اس کا بچہ قدم بہ قدم چلتا ہے۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ عمر ؓ کی یہ شان تھی کہ مومنین وضعفاء پر نرمی اور رحمت رکھنے والے اور مظلوموں کے مددگار تھے اور ظالموں پر سخت شدید تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حق ان کی زبان پر رواں فرمایا تھا۔ صدق ان کی ہر شان سے ظاہر اور عیاں تھا۔ حتیٰ کہ ہم لوگ گمان رکھتے تھے کہ کوئی فرشتہ عمر ؓ کی زبان سے بولتا ہے۔

جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اسلام کو عزت بخشی اور ان کی ہجرت مدینہ سے دین کا قوام ایسا مضبوط ہوا کہ مدینہ منورہ کے منافقوں کے دلوں میں ان کی طرف سے رعب اور خوف سما گیا، اور مومنوں کے دل ان کی محبت سے بھر گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو جبریل علیہ السلام سے تشبیہ دی۔ دشمنانانِ خدا اور رسول اللہ ﷺ پر بہت سخت و شدید تھے (یعنی ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے کما حقہ مصداق تھے۔) اللہ تعالیٰ ان دونوں اصحاب پر رحمت فرمائے اور ہم کو انھی کے طریقے پر چلا کر اپنی منزل مقصود کو پہنچنا نصیب فرمائے۔

اب ان دونوں کی مثل تمھارے واسطے کون ہے؟ آگاہ رہو کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے وہ ضرور ان دونوں سے محبت کرے اور جو کوئی ان سے محبت نہ کرے تو واللہ اس نے مجھ سے بغض و دشمنی کی اور میں بھی اس سے بیزار ہوں۔ اگر میں نے پہلے سے یہ بات تم سے کہہ دی ہوتی تو اس وقت جب میں نے ان لوگوں کی یہ تنقیص اور ہرزہ سرائی سنی تو بدگوؤں کو سخت سزا دیتا۔

آ گاہ رہو کہ اگر آئندہ میں نے کسی بدگو کو ان دونوں بزرگوں کی بدگوئی کرتے سنا یا مجھے پتا چلا اور بدگوئی ثابت ہوگئی تو اس پر وہ سزائے شدید قائم کروں گا جو مفتری کی حد ہے (یعنی بے گناہ اور پاک باز مرد اور عورت پر زنا کا بہتان لگانے والے کو اسّی کوڑے کی سزا۔) خبردار کہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں، پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ کو علم ہے بہتری کہاں ہے؟

أقول قولي هذا أستغفر الله لي ولكم.

ابوسلیمان ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی سے روایت ہے کہ آخر زمانے میں ایک قوم ظاہر ہوگی جو ہمارے شیعہ ہونے کا دعویٰ کریں گے، وہ بدگوئی کریں گے اور وہ رافضہ کہلائیں گے۔ وہ لوگ ہرگز ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سب وشتم کریں گے اور بُرا کہیں گے۔ تم ان کو جہاں کہیں پاؤ ...... کہ وہ لوگ مشرک ہیں۔ (تلبیس ابلیس، ص:١٥٠ تا ١٥٣ ولسان المیزان لابن حجر:٢٤/٤ طبع بیروت تحت ذکر عبداللہ بن سبا)

تائید مزید:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت حسنہ کی صحیح عکاسی پر مبنی اس خطبے کی تائید وتصویب فریق ثانی کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔ ایک روایت بطور نمونہ کے پیش خدمت ہے۔ اس روایت سے یہ بات اچھی طرح کھل جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب سوءِ اتفاق سے شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی افضیلت وفوقیت کی ناگوار بحث یا رلوگوں کی کارستانی پر چھڑی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انار کی کی اس آگ کو فرو کرنے کے لیے شیخین کی افضلیت اور فوقیت کے اثبات میں حقیقت پسندی اور حق گوئی پر مبنی خطبات کا آغاز فرمایا۔ مگر جب یہ آگ فرو ہوتے نہ دیکھی تو اس کو کنٹرول کرنے کے لیے تہدیدی اور تعزیری سزاؤں کا برملا اعلان فرما دیا اور یہ وہ حقیقت واقعیہ ہے کہ جس کا فریق مخالف کے اکابر علماء کو اعتراف اور اقرار ہے جیسا کہ اس آیت میں یہ اعتراف اور اقرار ''عیاں راچہ بیان'' کا مصداق ہے۔ لیجیے پڑھیے:

عـن سويد بن غفلة رحمه الله أنه قال: مررت بـقوم ينتقصون أبـابـكر رضي الله عنه وعمر رضي الله عنه فأخبرت عليا وقلت: لولا أنهم يرون أنك تـضمر ما أعـلنوا ما اجترء وا على ذلك منهم عبد الله بن سبا وكان أول من أظهر ذلك فـقـال على رضى الله عنه: أعـوذ بالله، رحـمهـمـا الله تعالى، ثم نهض وأخذ بيدي وأدخلني المسجد فصعد المنبر ثم قبض على لـحيتـه وهـي بيضآء فجعلت دموعه لتتحادر عـلـى لـحيتـه وجعل اجتمع ينظر للقاع حتى أجـمـع الـنـاس ثم خطب فقال: ما بال أقوام يـذكرون أخـوي رسـول الـلـه ﷺ ووزيريـه وصـاحبيه وسيدي قريش وأبوى المسلمين، وأنا بريء مما يذكرون وعليه أعاقب، صحبا رسـول الـلـه ﷺ بالجد والوفا، في أمـر الله يـأمـران ويـنهيـان ويـقضيان ويعاقبان لا يرى رسـول الـلـه ﷺ كـر أيـيهـمـا رأيا ولا يحب كـحبهما حبا لما يرى من عزمهما في أمر الله فقبض وهو عنهما راض والمسلمون راضون فما تجاوزا في أمـرهما وسيرتهما والذي فلق الـحبة وبـرأ الـنـسـمة إنه لا يحبهما إلا مؤمن فـاضـل، ولا يـبـغضهـمـا إلا الشـقـي مارق، وحبهما قربة وبغضها مروق. " (أطواق الحمامة لإمام مؤيد بالله يحيى بن حمزة الزيدي درآخر کتاب ہذا تحفۂ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ١٨١، ١٨٢)

''سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا، وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں تنقیص وحقارت بیان کررہے تھے۔ میں نے جا کر علی رضی اللہ عنہ کو خبر کی اور کہا: ان کا یہ خیال ہے کہ جس چیز کا انھوں نے اعلان کر رکھا ہے وہ بات آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں، ورنہ وہ اس کی جرأت کیسے کرسکتے تھے۔ اس قوم میں عبداللہ بن سبا بھی تھا، اور یہ وہ شخص ہے جس نے شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی تحقیر وتنقیص اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برتری کا مسئلہ پیدا کیا تھا، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی پناہ۔ اللہ عزوجل ان دونوں پر رحم فرمائے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ اٹھے اور مجھے پکڑ کر مسجد میں لے آئے اور آپ رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوگئے اور اپنی سفید ریش اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی چشم سے آنسو آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی پر موتیوں کی طرح جھلکنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد کے مکانات کی طرف اٹھ کر جھانکتے رہے یہاں تک کہ لوگ مسجد میں جمع ہوگئے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دینا شروع کیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں بھائیوں، دونوں وزیروں، دونوں رفیقوں اور قریش کے دونوں سرداروں اور مسلمانوں کے دونوں باپوں (شیخین) کا بدگوئی اور حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ میں ان کی اس حرکت (بد) سے سراپا بیزار ہوں۔ جو کچھ وہ بکتے ہیں اس کی ان کو سزا دوں گا۔ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بہ کوشش تمام پوری وفاداری کے ساتھ رہے اور اللہ عزوجل کے حکم کے موافق حکمرانی کرتے رہے۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے۔ اور خصومات کے فیصلے (شریعت کے موافق) کرتے تھے اور سزائیں دیتے تھے۔ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں جیسا کسی کو دوست جانتے تھے، اس لیے کہ دین کے معاملے میں ان دونوں کی پختہ عزمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح واضح تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بڑی خوشنودی کی حالت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پیارے ہوئے۔ اور سارے مسلمان بھی ان سے بڑے خوش اور راضی تھے۔ اپنے دستور اور سیرت میں یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سامی سے سرِ مُو متجاوز نہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی، اور بعد از وفات بھی اور اسی حال پر دونوں وفات پاگئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان دونوں پر رحمت نچھاور فرمائے۔ قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جو دانے کو اُگا کر درخت کرتا ہے اور جان کو پیدا فرمایا! جو مومن بلند درجے والا ہے اُن دونوں سے محبت رکھتا ہے اور بے نصیب اور دین سے محروم شخص ہی ان کے ساتھ بغض اور بیر رکھتا ہے۔ ان دونوں سے محبت قربت الٰہی ہے اور ان دونوں کے ساتھ بغض اور دشمنی سراسر بے دینی ہے۔''

"وفي رواية: لعن الله من أضمر لهما إلا الحسن الجميل وستری ذلك إن شآء الله تعالی ثم أرسل إلی ابن سبا فسيره إلی المدائن وقال: لا تساكني في بلدة أبدا."

(كتاب اطواق الحمامة للإمام مؤيد بالله يحيى بن حمزة الزيدي بحوالہ تحفہ اثناعشریہ، ص: ۱۸۱، ۱۸۲)

''ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کرے جو اُن دونوں کے متعلق اپنے دل میں نیکی اور خوبی کے سوا کوئی اور چیز چھپائے ہوئے ہے تو بہت جلدی، ان شاء اللہ، اس کا انجام دیکھے گا۔ پھر ابن سبا کو بلایا اور اس کو مدائن کی طرف نکال باہر کیا اور حکم دیا کہ تُو میرے ساتھ ایک شہر میں ہرگز نہ رہ سکے گا۔''

تائید مزید، حضرت علی کا خراج تحسین:

"ومن كلام له عليه السلام لله بلا، فلان فلقد قوم الأود وداوی العمد، خلف الفتنة، وأقام

السنة، ذهب نقي الثوب، قليل العيب أصاب خيرها وسبق شرها، أدى إلى الله طاعته واتقاه بحقه، رحل وتركهم فى طرق متشعبة، لا يهتدي فيها الضال ولا يستيقن المهتدي."

(نہج البلاغة، حصه: ۲، ص: ۲۲۲)

''فلاں شخص (ابوبکر صدیق) کی کارکردگیوں (مساعی جمیلہ) کی جزا (خیر) اللہ دے۔ انھوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، (معاشرے کی) مرض کا چارہ کیا، فتنہ وفساد کو پیچھے چھوڑ دیا، سنت کو قائم کیا (صاف ستھرے دامن) اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، (خلافت، عفیف) کی بھلائیوں کو پالیا اور اس کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف بھی کھایا۔ خود چلے گئے اور لوگوں کو ایسے متفرق راستوں پر چھوڑ گئے جن میں گم کردہ راستہ نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ (ترجمہ مفتی جعفر حسین)

(خطبہ نمبر: ۲۲۵، ص: ۶۱۷)

تنبیہ: مفتی محمد عبدہ مری رحمہ اللہ اور ابن ابی الحدیث (شارح نہج البلاغہ) کی تحقیق کے مطابق ''فلاں'' سے مراد حضرت عمر فاروق ہیں۔ جب کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک حضرت صدیق اکبر کی ذات گرامی ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"قد حذف الشريف صاحب النهج حفظا لمذهبه لفظ " أبي بكر" و أثبت بدله "فلان" وتابى الأوصاف إلا أبا بكر ولهذه الابهام اختلف الشراح فقال البعض: هو أبوبكر وبعض: هو عمر، ورجح الأكثر الأول وهو الأظهر." (مختصر التحفة الاثنى عشرية، ص: ۱۳۳)

''نہج البلاغہ کے مؤلف نے اپنے مذہب کی حفاظت میں ''ابوبکر'' کے بدلے ''فلاں'' لکھ دیا مگر خطبے میں مذکورہ اوصاف ابوبکر ہی کے حق میں ہیں۔ اور اکثر شارحین نے ابوبکر ہی کا نام لکھا ہے کہ مذکورہ دس اوصاف سے یہی ظاہر ترین ہے۔ تاہم بعض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام بھی تجویز کیا ہے۔''

مزید برمزید:

"عن أسيد بن صفوان وكانت له صحبة بالنبي ﷺ قال: لما توفي أبوبكر (الصديق) رضي الله عنه ورجت المدينة بالبكآء ودهش الناس كيوم قبض رسول الله ﷺ جاء علي بن أبي طالب مسرعا باكيا مسترجعا وهو يقول: اليوم انقطعت خلافة النبوة، حتى وقف على باب البيت الذي فيه أبوبكر رضي الله عنه، ثم قال رحمك الله يا أبابكر! كنت أول القوم إسلاما وأخلصهم إيمانا وأكثرهم يقينا و أعظمهم غنآء وأحد بهم على الإسلام و أحوطهم على رسول الله ﷺ، وآمنهم على أصحابه وأحسنهم صحبة و أفضلهم مناقب وأكثرهم سوابق و أرفعهم درجة و أقربهم من رسول الله ﷺ مجلسا و أشبههم به هديا وسمتا وخلفا ودلا وأشرفهم منزلة و أكرمهم عليه وأوثقهم عنده فجزاك الله عن الإسلام وعن رسول الله ﷺ خيرا صدقت برسول الله ﷺ حين كذبه الناس فسماك الله في كتابه صديقا وذكر الحديث بطوله. (أسد الغابة: ۱/ ۹۰، ۹۱ والاستيعاب لابن عبد البر وإزالة الخفاء: ۱/ ۶۹ وتاریخ از اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی: ۱/۲۹۹)

''حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت

ابوبکر صدیق وفات پاگئے تو اہل مدینہ گریہ زاری کرنے لگے اور اس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدہوش اور متحیر ہوگئے جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر ملال کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں پریشان اور حیران ہوگئے تھے۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جلدی کرتے ہوئے بچشم گریاں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا: آج نبوت کی (بلافصل) خلافت اور نیابت ختم ہوگئی۔ اور جس مکان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جسد خاکی رکھا ہوا تھا اس کے دروازے پر کھڑے ہوکر فرمایا: اے ابوبکر! اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ ساری قوم میں سے (میرے سمیت) اسلام لانے میں سابق تھے، اور ایمان میں سب سے زیادہ مخلص تھے، اور یقین میں زیادہ محافظ تھے، اور سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو امن وراحت پہنچانے والے تھے۔صحابہ کے حق میں بہ لحاظ صحبت سب سے اچھے اور مناقب وفضائل میں سب سے افضل تھے۔ سبقت کے کاموں میں سب سے آگے تھے اور درجے میں سب سے بلند۔ بہ لحاظ مجلس سب سے زیادہ قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ ہی تھے۔ سیرت میں، راست روی میں، مروت میں اور ادا میں تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ مرتبے میں باعزت اور تعظیم رسول میں سب سے آگے اور دوسروں کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ زیادہ باوثوق اور قابل اعتماد واعتبار تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی حفاظت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اس وقت تصدیق فرمائی جب لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس تصدیق کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھ دیا۔ ...... الخ۔''

نہج البلاغہ کے شارحین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مکتوب کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جس میں حضرت شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے مناقب وفضائل ذکر کرنے کے بعد اُن کی وفات حسرت آیات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رنج وغم میں شرابور تبصرہ ہے جو حسب ذیل ہے:

"لعمري مكانهما لعظيم، إن المصاب بهما لجرح في الإسلام شديد رحمهما الله وجزاهما بأحسن ما عملا." (مختصر التحفة الاثنى عشرية، ص: ١٣٧)

''مجھے اپنی جان کی قسم، وہ دونوں بڑے عظیم المرتبت انسان تھے۔ ان کے انتقال کی مصیبت اسلام کے لیے بہت بڑا گھاؤ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت نازل فرمائے۔ ان دونوں کو ان کی مساعی جمیلہ کی بہترین جزاء مرحمت فرمائے، آمین۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ خطبات عالیہ پر کسی قسم کے تبصرے کی ہم قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ''ہاتھ کنگن کو عارسی کیا'' کے مصداق ہیں۔ ان میں تقیہ بازی کی جوت لگانی بھی ناممکن ہے کیوں کہ ان خطبات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت اور سیاہ وسپید کے مالک تھے۔ مزید برآں آپ رضی اللہ عنہ بلا کے غیور وجسور، حق گوئی کے پیکر اور راست بازی کے خوگر تھے۔ تاہم اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ ان خطبات عالیہ میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی یکتائی کے ڈنڈھورچیوں کی ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوٹ چکی ہے۔

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہو گیا
روبرو ان کے جو آئینہ مقابل ہو گیا
ہوا ہے مدعی کا فیصلہ میرے حق میں اچھا
زلیخا نے کیا خود دامن پاک ماہ کنعاں کا

وما توفيقي إلا بالله إن أريد إلا الإصلاح والله على ما أقول وكيل وبيده الهداية.

خدمات علمائے اہل حدیث

مولانا علاء الدین رحمہ اللہ

عبدالواحد گوندل

آپ کے والد کا نام عبدالواسع تھا۔ آپ ۱۸۲۳ء میں موضع پنڈوریاں میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں وزیر آباد سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ کا خاندان برہمن تھا جس کا نسلی تعلق چندر بنسی ہندو جاتی سے ہے۔ اس خاندان کے ایک فرد، جس کا آٹھویں یا نویں پشت سے تعلق تھا، ہندو مت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام غالب دین تھا۔

مولانا علاء الدین نے قلعہ دیدار سنگھ میں مولانا غلام رسول صاحب سے ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ قلعہ میں کتنا عرصہ رہے۔ یہاں سے حصولِ علم کے بعد آپ دہلی چلے گئے۔ وہاں شیخ کل حضرت میاں نذیر حسین کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور وہاں تعلیم مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہندوستان کے مختلف مقامات پر تبلیغ دین مین مصروف رہے۔ بعض علاقوں میں درس وتدریس اور وعظ ونصیحت میں مشغول رہے جس کا کوئی مکمل ریکارڈ نہیں مل سکا، زبانی روایات ہیں۔

۱۸۷۵ یا ۱۸۷۶ء میں مولانا علاء الدین گوجرانوالہ میں آ گئے۔ گوجرانوالہ میں آپ باغیچی کے قریب بازار چوڑیگراں میں اونچی مسجد، جو اب لوہاراں والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، میں کم وبیش ایک سال تک رہے۔ یہ مسجد حاجی اکرم کے مکان کے متصل ہے۔ تعصب مسلک کا بُرا ہو کہ اُن کو اسی بنا پر مسجد سے نکال دیا گیا۔

جس جگہ اب جامع مسجد اہل حدیث (چوک نیائیں) ہے یہاں ایک دائرہ تھا اور اس سے متصل چارہ منڈی تھی۔ اس کی دائیں جانب ایک قبر تھی جو اسی بازار کی کسی رہنے والی کی تھی۔ اس پر برائے نام گنبد بنا دیا گیا، پانی کا بندوبست کر دیا گیا، چند صفیں رکھی رہتیں۔ اب اس بھلی مانس کی قبر کو مرجع عام بنا دیا گیا۔ وہاں نذرانے اور جمعرات کو کھانے آتے ہیں۔ پھر ایسے مقامات پر جس طرح عوام کا اژدہام ہوتا ہے وہی صورت حال بن گئی۔ مولانا علاء الدین نے ان لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا اختیار کر لیا کیوں کہ مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ نے وہاں آنے جانے والے لوگوں سے اچھے تعلقات بنا لیے، ان سے دوستیاں کر لیں۔ آپ ان کے کاموں میں شریک ہوتے۔ اگر کوئی ان کے اہل خانہ میں بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کرتے۔ اس طرح اُن سے تعلقات استوار کیے۔ اسی قبر سے کچھ ہٹ کر وہاں بچوں کو قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ ختم وغیرہ والی چیزیں اور کھانا آتا تو رکھ لیتے۔ قریب ہی گجروں کا ایک باڑہ تھا، یہ چیزیں وہاں اُن کے جانوروں کی نذر کر دیتے۔ بعض دفعہ مفلوک الحال افراد کو دے دیتے۔ وہاں سے قریب چند قدم ہٹ کر نماز شروع کر دی، پھر باجماعت نماز اور اذان بھی شروع ہو گئی۔ یہ ایک برآمدہ سا تھا جس پر برائے نام عارضی چھت تھی۔ کافی عرصہ بعد پانچ مربع جگہ پر ایک مسجد تعمیر ہو گئی، پھر اس میں دو مرتبہ توسیع ہوئی لیکن عمارت بالکل معمولی تھی۔ وہاں جمعہ کی نماز بھی شروع ہو گئی اور مدرسہ بھی۔ دور دور سے طلباء آ کر داخل ہو گئے۔ لیکن بہ تقاضائے احتیاط کچھ عرصہ پوری طرح اہل حدیث ہونا ظاہر نہ کیا۔ مسائل کے بیان میں نرمی برتتے رہے۔ جس سے شہر میں ایک خاص قابل تعریف مقام اللہ تعالیٰ نے دے دیا۔ آپ ولی اللہ مشہور ہو گئے۔ ہندو قوم بھی بڑی عزت وتوقیر کرتی تھی۔

مجھے والد صاحب مرحوم نے بتایا تھا کہ گوجرانوالہ میں جو جمعیۃ اہل حدیث قائم کی گئی تھی اوّل اس کے دس گیارہ ممبر تھے جس میں وہ خود

(چودھری محمد دین گوندل) بھی شامل تھے۔ آپ نے بتایا کہ ایک سال بارش نہ ہوئی۔ بے حد گرمی کی وجہ سے عوام بے حال ہوگئے۔ ہندوؤں نے اپنے مذہب کے مطابق کئی مرتبہ پرارتھنا کی۔ بازار کی دکانیں بند کردی جاتیں، ہندو کانسی کے چھنے ہاتھوں میں لے کر بازار میں بچھی ہوئی دریوں پر بیٹھ جاتے۔ ان کے پروہت اور مندروں کے پجاری آتے۔ یہ چھنوں والے دو رویہ بیٹھے ہوتے تھے اور ان کے برہمن بازار میں بھجن گاتے ہوئے آتے جاتے اور اس وقت جو لوگ دو رویہ بیٹھے ہوئے ہوتے ان کی آواز میں آواز ملا کر چھنوں کو خوب بجاتے پیٹتے تھے۔ اپنے مذہب کا یہ طریقہ بازار بند کر کے کئی مرتبہ کیا گیا لیکن بارش نہ ہوئی۔ چند ہندو مولانا علاء الدین کے پاس آئے اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ ایک جمعہ کے دن آپ کے مقتدیوں نے بھی آپ سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا کی جائے۔ آپ نے اعلان کردیا کہ کل ظہر کی نماز کے بعد پڑاؤ میں نمازِ استسقاء ادا کی جائے گی۔ یہ وسیع میدان تھا جہاں افواج ٹھہرا کرتی تھیں۔ اب وہاں میونسپل کارپوریشن کا دفتر ہے اور ایک پورا محلّہ آباد ہے۔ مسلمانوں کا پورا ہجوم جمع ہوگیا۔ ہندو بھی خاصی بڑی تعداد میں پڑاؤ میں آکر ایک طرف کھڑے ہوگئے بلکہ اردگرد ہوگئے۔ کڑکتی دھوپ اور ہجوم۔ والد صاحب نے بتایا کہ میں اور میرے بھائی بھی وہاں گئے۔ عجیب منظر شہر میں یہ نظر آیا کہ دال بازار میں کریانہ کی دوکانیں تھیں جن کے مالک ہندو تھے۔ انھوں نے ملازموں کو حکم دیا کہ دوکان کے باہر جو سودا لگا ہوا ہے اس کو اٹھا کر اندر رکھ لیں، وہ کہتے جاتے تھے مہاتما کا اوتار آج بارش کی دعا کرنے نکلا ہے، سودا جلدی اٹھا لو، زور کی بارش ضرور ہوگی اور سامان خراب ہوجائے گا۔ مولانا علاء الدین دھوتی باندھ کر گلے میں ایک سفید چادر لپیٹ کر گھر سے نکلے۔ کرتہ نہیں پہنا تھا اور چادر لے رکھی تھی۔ سر پر چھوٹا سا پٹکا باندھا ہوا تھا۔ پڑاؤ میں پہنچے۔ دو رکعت نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ دیا کہ بارشیں بند کیوں ہوتی ہیں۔ وعظ و تلقین کے بعد اپنی چادر کو الٹ دیا۔ ہاتھ لمبے کر کے دیر تک دعائیں کرتے رہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عوام بھی رو رہے تھے۔ ممبر سے اترتے وقت زور سے چادر ہلا کر لوگوں کو حکم دیا کہ گھروں کو بھاگ جاؤ۔ بارش شروع ہوگئی۔ ہم اپنے گھر بھیگ کر پہنچے۔ ہمارا مکان اس وقت امام دین بھٹی والی گلی نزد نوشہرہ روڈ پر تھا۔ یہ ان کا خاص واقعہ ہے جس کا چرچا شہر میں کافی عرصہ تک رہا۔

ہندو قوم بھی آپ کا بہت احترام کرتی تھی۔ اس چھوٹی مسجد کو گرا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اس وقت ہال، کمرہ، برآمدہ اور صحن تعمیر ہوا۔ ''بھلی مانس'' کی قبر باقی تھی اور اس کی زمین پر مولوی احمد دین بٹ جاروب کشی کرتا تھا۔ قبر والا حصہ اور اس سے ملحقہ رقبہ مسجد کو بیچ دیا۔ اس قبر پر چھت ڈال کر وہ جگہ مسجد میں شامل کرلی گئی جیسا کہ اس وقت ہے۔ مزید توسیع اس طرح ہوئی کہ میاں تفضّل علی کی کچھ زمین دائیں طرف تھی۔ یہ گوجرانوالہ کے شیعہ لیڈر تھے اور ان کا ایک بیٹا قدرت اللہ شہاب مرکزی حکومت میں تھا۔ ''شہاب نامہ'' انھی کی کتاب ہے جو ادبی حلقوں میں بڑی مقبول ہے۔ مولانا اسماعیل سلفی اس کے پاس گئے ور اس ملحقہ رقبہ کو قیمتاً خریدنے کی۔ بات کی اس نے کہا: میں ملحقہ زمین مسجد کو بلا قیمت دیتا ہوں۔ وہ جگہ شامل کر کے مسجد دوبارہ اس طرح تعمیر ہوئی جو شکل اب موجود ہے۔ یہ تعمیر مولانا سلفی صاحب کے خطیب مقرر ہونے کے بعد ہوئی تھی اور ''بھلی مانس'' کی قبر والی جگہ کئی سال بعد شامل کی گئی۔ یہ جگہ دفتر کے سامنے برآمدہ سے اس طرف اتریں تو آپ کے قدموں کے نیچے ہے۔

آپ کی خدمات یہاں کی جماعت کے لیے قابل قدر ہیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ اہل حدیث کا نام لینا بھی جرم سمجھا جاتا تھا۔ مولانا علاء الدین رحمہ اللہ نے بڑی حکمت سے یہاں زمین ہموار کی تھی۔

میرے والد صاحب (چوہدری محمد دین گوندل) اس وقت جوان تھے اور جمعہ کی نماز ان کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ نے بتایا کہ مسجد میں لوگ جمعرات کو ساتویں اور چالیسویں کی چیزیں بھیج دیتے۔ آپ اُن کو استعمال کرنے کی بجائے غرباء اور مساکین کو

دے دیتے یا جانوروں کو کھلا دیتے۔ طلباء کو بھی کبھی یہ چیزیں استعمال نہ کرنے دیں۔

اُن کے پاس انسانی شکل میں جنات بھی پڑھتے تھے۔ والد صاحب نے بتایا تھا کہ ایک دفعہ ایک ہفتے تک بارشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جمعہ کے روز آپ مسجد میں اپنا لباس خشک کرنے کے لیے ہوا میں لہرا رہے تھے کہ ایک طالب علم نے گزارش کی کہ میں ان کو سکھا دیتا ہوں۔ اس نے کپڑے لیے اور آنکھ بچا کر غائب ہوگیا اور کپڑے سکھا کر لے آیا۔ جب آپ نے کپڑے پکڑے تو ان کو گرم پایا اور پوچھا: کہاں سے سکھا کر لائے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں فلاں پہاڑ پر گیا تھا۔ اس سے قبل آپ کو علم نہ تھا کہ میرے شاگردوں میں جنات بھی شامل ہیں۔

دوسرا واقعہ والد صاحب نے یہ بتایا تھا کہ مسجد کے قریب ہی ارائیں نوالی گلی کے کونے پر تیلی برادری کا ایک گھر تھا جو مولانا علاء الدین کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے جو آپ کے جنات شاگردوں نے سن لیے اور ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ عاجز آ گئے۔ ان کی کھانے کی ہر چیز میں غلاظت ملا دیتے۔ انھوں نے کئی عامل بلائے اور بڑے حیلے کیے لیکن بات نہ بنی۔ ان کے بعض رشتہ داروں نے ان کو کہا کہ مولانا علاء الدین کے پاس جاؤ۔ مجبوراً گئے اور انھیں اپنے گھر آنے کا کہا۔ آپ اُن کے ہاں تشریف لائے۔ جنات کو حاضر کیا اور نام پوچھے تو ناموں سے پتا چل گیا کہ یہ تو میرے شاگرد ہیں۔ ان کو ڈانٹا کہ میرے پڑوسیوں کو تنگ کرتے ہو۔ انھوں نے جواب میں عرض کی کہ یہ لوگ آپ کے بارے بدگوئی کرتے تھے، اس لیے ان کو سزا دی ہے۔ آپ نے ان کو پھر ڈانٹا تو انھوں نے عرض کی کہ یہ آپ کو گالیاں دیتے ہیں۔ آپ نے کہا: یہ گالیاں مجھے دیتے ہیں، تمھیں نہیں۔ وہ کہنے لگے آپ ہمارے استاد ہیں، ہم کیسے برداشت کر سکتے تھے، اس لیے ان کو کچھ سمجھا رہے ہیں۔

آپ نے ان کو نکلنے اور چلے جانے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تم نے میرے پاس مسجد میں نہیں آنا، اور جاتے ہوئے کوئی نشان دکھاؤ کہ میں مطمئن ہو جاؤں۔ وہ نکلے اور مسجد کے باہر کا چھوٹا سا دروازہ گرا کر بھاگ گئے۔

ان کے متعلق ایک بات والدہ صاحبہ نے بھی بتائی کہ میاں جی جماعت کے افراد کے کس قدر ہمدرد اور خبر رکھنے والے تھے۔ بات یہ ہوئی کہ تمھارے والد کے پاس ایک جوگی آتا تھا۔ اس نے ان کو سونا بنانے کے خبط میں مبتلا کر دیا۔ ہر روز بھٹی میں آگ جلاتے اور سونا بنانے کی کوشش کرتے۔ اس جوگی کے ساتھ ۵،۶ ماہ تک اس کوشش میں رہے۔ والدہ صاحبہ نے بتایا جو نقد رقم تھی اس میں سے آدھی صرف کر دی گئی۔ میں بہت فکر مند ہوئی۔ بہت کچھ کہا لیکن یہ کام بند نہ ہوا۔ میں میاں جی علاء الدین کے گھر گئی۔ جمعہ کا دن تھا اور وہ مسجد میں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ میری طرف توجہ کر کے اپنی بیوی کو پوچھا یہ کون ہے؟ میں خود ہی بولی اور بتایا کہ میں چوہدری محمد دین کے گھر سے ہوں۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ ان کو سونا بنانے اور مالی نقصان کا بتایا۔ آپ نے فرمایا: بیٹی کوئی فکر نہ کر، یہ کام چھوڑ دے گا۔ اگر نہ چھوڑا تو تم پھر مجھے آ کر اطلاع دینا۔

وہ جمعہ کے لیے چلے گئے میں بھی ہر جمعہ کو وہاں حاضر ہوتی تھی، میں بھی گئی۔ آپ شہر کے کسی مسئلے کے متعلق یا جماعت کی کسی سرگرمی کے متعلق دوسرے خطبہ کے شروع میں بات کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ جماعت کے بعض افراد سونا بنانے کے خبط میں مبتلا ہیں یہ دھوکے کا کام ہے۔ خبردار! تم میں سے کسی نے یہ حرام کمائی کھائی۔ اس سے بہتر ہے کہ حرام جانور کا گوشت کھا لو۔ والد صاحب وہاں تھے۔ سنا اور گھر آ کر ہماری والدہ کو پوچھا: کیا تم میاں جی کے گھر گئی تھیں؟ انھوں نے کہا: نہ جاتی تو اور کیا کرتی؟ والد صاحب نے اب سب سامان کوڑے میں پھینکا اور اپنا آبائی کام شروع کر دیا۔

افکارِ معاصرین

ہم کتنے ظالم ہیں

اوریا مقبول جان

کیا کبھی کوئی سوچ سکتا ہے کہ ماں باپ جو اولاد کے لیے اپنی جان تک نچھاور کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ خود بھوکے رہ کر انھیں کھلاتے ہیں۔ اپنی تمام خواہشات کو پس پشت ڈال کر ان کے لیے آسائش اور آرام مہیا کرتے ہیں۔ گھر کی ہر قیمتی چیز ان کی تعلیم، صحت، شادی اور دیگر ضروریات کے لیے قربان کردیتے ہیں۔ وہی والدین اپنا کل اثاثہ قربان کرکے ان کے لیے مہنگی ترین دکان سے خوش نما اور دیدہ زیب پیکٹوں میں خوبصورت ترغیبات اور بہترین میٹھے ذائقے والا زہر خریدیں اور پھر جیسے ہی ذرا بولنے اور سوچنے کے قابل ہو، اسے کھلانا شروع کردیں اور اس کے برسرروزگار ہونے تک اسے کھلاتے رہیں۔ آپ بالکل یقین نہیں کریں گے۔ لیکن طویل عرصے سے ہم یہ میٹھا زہر اپنی ساری جمع پونجی خرچ کرکے اپنے بچوں کو کھلا رہے ہیں اور اس پر خوش اور شاداں بھی ہیں۔ اس زہر پر پلی ہوئی پہلی نسل اب جوان ہوکر ہمارے سامنے آکر کھڑی ہوگئی ہے اور وہ اسی زہر میں بجھے ہوئے تیروں جیسے سوال ہم سے کرتی ہے۔ ہماری زندگی، اخلاق، ماحول، مذہب، دین اور ہمارے تصورات کو دقیانوسی، فرسودہ اور عقل سے بے بہرہ قرار دیتی ہے اور ہمیں چودہ سو سال پرانے خوابوں میں زندہ رہنے والا بے وقوف سمجھتی ہے۔

ہم نے اپنی اس نسل کی تباہی پر خود دستخط کیے اور اب مزید اس پر مہر تصدیق ثبت کررہے ہیں۔ دنیا کی پانچ ہزار سالہ تحریر شدہ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جس نے کسی دوسرے کی زبان میں علم حاصل کیا ہو اور ترقی کی ہو۔ ہمیں گزشتہ ۶۵ سال سے ایک سبق طوطے کی طرح پڑھایا گیا کہ انگریزی کے بغیر اب ترقی کرنا ممکن نہیں۔ لیکن یہ سوال کسی نے چھوٹے چھوٹے ملکوں سویڈن، ناروے، ڈنمارک، آسٹریلیا، ہالینڈ اور بڑے بڑے ملکوں چین، جاپان اور جرمنی سے نہیں پوچھا جو اپنی زبانوں میں پی ایچ ڈی تک کرواتے ہیں۔ سنگاپور نے انگریزی میں تعلیم کا تجربہ کیا اور بیس سال بعد وہ اب سر پیٹ رہے ہیں کہ ان کے ہاں تخلیقی تحقیق (Creative Research) بالکل نہیں ہورہی اور وہ بالکل نقال بندر بن کر رہ گئے ہیں، اس لیے کہ آپ علم کسی دوسرے کی زبان میں حاصل کرسکتے ہیں لیکن تخلیق کے دروازے اپنی ہی زبان سے کھلتے ہیں۔ لیکن یہاں المیہ یہ نہیں کہ ہم نے انگریزی زبان میں بچوں کو تعلیم کیوں دلوائی۔ سائنس کے مضمون تو ہماری مجبوری تھی کہ ہمارے ملک کے پانچ لاکھ اساتذہ نے اپنی زبان میں ایک لاکھ کتب بھی ساٹھ سالوں میں ترجمہ نہ کیں۔ المیہ تو وہاں سے شروع ہوا جب ہم نے اپنی تباہی کے دوہرے پروانے پر دستخط کیے۔ ایک تو سائنسی تعلیم انگریزی میں دلوائی جس سے تخلیقی تحقیق کا دروازہ ہم پر بند ہوگیا اور دوسرا پورے کا پورا نصابِ تعلیم ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ جو بچہ سکول میں داخل ہوتے ہی اللہ، اس کے رسول کی تعلیمات اور اپنے ماضی کے ہیروز کی کہانیاں پڑھ کر جوان ہوتا تھا، جس کی زندگی کے ہر قدم پر اخلاقیات کا درس اسے اپنے مشاہیر کی پاکیزہ زندگی سے ملتا تھا، جو والدین کے احترام سے لے کر زندگی کے شرم وحیا اور مہر ومحبت کے اصول پڑھتا اور ان کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتا تھا۔ اب اس کے ہاتھ میں ان ہزاروں انگلش میڈیم سکولوں نے جو کتابیں تھما دی ہیں، ان میں وہ تمام کہانیاں ہیں، وہ تمام قصے ہیں، وہ تمام اخلاقی اصول ہیں جن کے پڑھنے کے بعد انھیں اپنے ماحول، اس کی اقدار، روایات اور طرز زندگی سے بو آنے لگتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کسی اور دنیا کے لیے

پیدا ہوئے ہیں۔ میں سکول کی لائبریریوں میں موجود کتابوں کی نہیں صرف کورس کی کتابوں کی بات کر رہا ہوں۔ ورنہ لائبریریاں تو ایسے زہر سے پٹی پڑی ہیں۔ یہ چند ایک کتب ہیں جو ہمارے بچے پڑھتے ہیں اور ہم فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے A اور O لیول میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے۔

۱: A Christmas Carol: پوری کتاب کرسمس کے تہوار اور عقائد پر گھومتی ہے۔ جس بچے کو قرآن پڑھانے پر دہشت گردی کی تعلیم کہا جائے، وہاں اس کتاب کو صرف اس لیے پڑھایا جارہا ہے کہ یہ بچے مغربی مذاہب سے خود کو علیحدہ محسوس نہ کریں اور غیر محسوس طریقے پر اس کا حصہ ہوں۔

۲: The Golden Touch: یہ یونانی دیو مالائی خداؤں کی داستانیں ہیں جو لیول II میں پڑھائی جاتی ہیں۔ جس بچے کو اللہ کی وحدانیت اور رسول کی سیرت پڑھنی چاہیے اسے وینس اور کیوپڈ جیسے دیوتاؤں کے معاشقے پڑھنے کو ملتے ہیں۔

۳: King solomon's Mines: یہ کہانی جنسی تعلقات اور جنسی ناہمواری کے انیسویں صدی کے تصورات پر لکھی گئی ہے اور جس مرد اور عورت کی تلاش کو اسی کے چھپے ہوئے ''جسمانی خزانوں'' کی جستجو بتایا گیا ہے اور خواتین کی جبلتوں اور مرد کی جسمانی ہیئت کی مثالیں بیہودہ انداز میں دی گئی ہیں۔ یہ کتاب لیول IV میں پڑھائی جاتی ہے۔

۴: The Emperor's New Clothes and other Stories: ان میں ایک لنگڑے سپاہی کی کہانی ہے جو ایک ناچنے والی گڑیا کے عشق میں گرفتار ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ جو کپڑوں کے بغیر شہر کا دورہ کرتا ہے۔ اور اگر کوئی والد یا والدہ ''The Kiss'' پڑھ لے تو حیرت میں ڈوب جائے۔

۵: Treasure Island: یہ لیول I کی کتاب ہے۔ کہانی بحری قزاقوں پر ہے جو اپنے قوانین رکھتے ہیں۔ شراب کے نشے میں دھت رہتے ہیں اور اس شراب کی تلاش میں پاگل جہاز کا کپتان۔

۶: The Adventures of Sherlock Holmes: جاسوسی کہانیاں لیکن عشق ومحبت کے رسیلے جذبات سے نچڑی ہوئیں۔ جو لوگ نسیم حجازی کے رزمیہ عشقیہ کہانیوں پر اعتراض کرتے تھے وہ یہ سب دیوانہ ہوا جاتا ہے کچھ پڑھاتے ہیں۔

۷: Around The world in Eighty Days: یہ لیول III کی کتاب ہے جس کا ایک کردار شرط لگاتا ہے اور دنیا گھومتا ہے۔ بچوں کے ذہن میں اس کے دلچسپ افسانے تو آتے ہیں لیکن اس کا ہیرو شراب بھی پیتا ہے اور جگہ جگہ محبت بھی کرتا ہے۔

۸: Just 50 Stories: دنیا بھر میں نسلی تعصب اور گورے کی نسلی برتری کے قائل رڈیارڈ کپلنگ کی یہ کہانیوں کی کتاب جس میں اللہ کو ایک عظیم جادوگر کہا گیا ہے جس نے پہلے زمین بنائی، پھر سمندر۔ یہ لیول I میں پڑھائی جاتی ہے۔

۹: Tales of King Arthur: یہ بادشاہ کی بیوی ملکہ Guenevere کے La Uncelot کے ساتھ خفیہ عشق کی ایک داستان ہے۔

اس کے علاوہ چند اور کہانیوں کی کتابیں یہ ہیں:

۱۰: The Brave Little Tailor

۱۱: Heros and Heroins

۱۲: The Canterville Ghost

۱۳: The Giftes and other stories

۱۴: The Golden Goose and other Stories

۱۵: Great Expectations

۱۶: A Mid Summer Night's Dream and other Stories

آپ ان ساری کی ساری کہانیوں کو اٹھالیں، آپ کو ان میں ایک ایسا ماحول ملے گا، ایسی اخلاقیات ملیں گی، اس طرح کی طرز زندگی نظر آئے گی جس کا نہ ہماری زمین سے کوئی تعلق ہے، نہ ہمارے آباء

واجداد سے۔ نہ ہمارے مذہب سے کوئی رشتہ ہے اور نہ تصور دین ہے۔ یہ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، میتھس نہیں کہ ہم کہیں کہ ان کے بغیر ہماری ترقی نہیں ہوسکی۔ یہ وہ اخلاقیات ہیں جو ان کہانیوں کی صورت میں ہماری نسلیں پڑھ رہی ہیں۔انھی کے کرداروں کے روپ میں خواب دیکھتی ہیں۔انھیں اپنی زندگیوں کا آئیڈیل بناتی ہیں۔اس طرح کے ماحول اور ویسی طرز زندگی کو اپنے لیے راہنما تصور کرتی ہیں۔ظلم یہ نہیں کہ ہماری نسلیں یہ کہانیاں پڑھ رہی ہیں۔ظلم یہ ہے کہ وہ جس عمر میں پڑھ رہی ہیں اسی عمر میں انسان اپنی زندگی بھر کے ہیروز کے تصورات ذہن میں پختہ کرتا ہے۔اس سب سے بڑا ظلم یہ کہ ہم اس سب کو اپنے بچوں کے بہترین مستقبل کے لیے اپنی جمع پونجی قربان کرکے تحفے میں دے رہے ہیں اور عظیم ترین ظلم یہ کہ ہم نے ان کہانیوں کے مقابل اپنے بچوں کے لیے کوئی اخلاقی، مذہبی اور دینی کہانیاں، جو سچ پر مبنی ہوں، تخلیق ہی نہیں کیں۔ہم کتنے ظالم ہیں؟

علامہ زبیر احمد ظہیر کو شدید صدمہ

بیٹے کا انتقال

مولانا زبیر احمد ظہیر مرکزی نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے بیٹے ابتسام زبیر ظہیر ۷رمئی ۲۰۱۲ء بروز پیر انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چند دن قبل ان کے بیٹے کو بجلی کا کرنٹ لگ گیا تھا جس سے یہ زخمی ہوگئے تھے۔ علاج ہوتا رہا مگر وقت موعود آنے پر جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

ادارہ الاعتصام مولانا زبیر احمد ظہیر کے بیٹے کی وفات پر مغفرت کی دعا کرتا ہے۔اور لواحقین کے غم میں شریک ہے۔

اللہ کریم مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

(ادارہ)

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

پیکرِ اخلاص، مولانا محمد ادریس ہاشمی (حیات وخدمات)

مؤلف ومرتب: **محمد رمضان یوسف سلفی**

ضخامت: **١٢٧ صفحات**

ملنے کے پتے: **مرکزی دارالامارات جماعت غرباء اہل حدیث محمدی مسجد برنس روڈ، کراچی۔**
(٢) مکتبہ ایوبیہ، حدیث محل، محمدی مسجد اے ایم نمبر ١، برنس روڈ، کراچی۔

تبصرہ نگار: **محمد سلیم چنیوٹی**

زیرِ تبصرہ کتاب جماعت غرباء اہل حدیث پنجاب کے روحِ رواں اور مردِ ان تھک مولانا محمد ادریس ہاشمی صاحب مرحوم ومغفور کی یاد، ان کے کارناموں اور ان کی صحافتی، تبلیغی، مسلکی، سیاسی وسماجی سرگرمیوں پر محیط تحریروں سے مزین ہے۔

ممتاز صحافی اور مقالہ نگار محبّ مکرم جناب محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود تحریر وتصنیف میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ تمام جماعتی رسائل وجرائد اور بعض قومی وملّی اخبارات میں ان کے مضامین اور مقالے شائع ہو چکے اور ہوتے رہتے ہیں۔

مولانا محمد ادریس ہاشمی مرحوم بڑے باکمال، جی دار، مبلغ قرآن وحدیث اور دینی تعلیم وتعلّم سے وابستہ شخصیت تھے۔ ماہنامہ صدائے ہوش لاہور کے بانی تھے۔ دارالحدیث جامعہ معاویہ، جامع مسجد ابوسفیان، جامعہ زینب بنات الاسلام، معاویہ میموریل ہائی سکول، جامعہ مسجد عمر فاروق اور ابوسفیان فری ہسپتال جیسی تعلیمی، فلاحی وسماجی عمارات واداروں کی تعمیر ان کے ہاتھوں انجام پائی۔ اس کتاب میں اہل قلم، علمائے کرام، دوست واحباب کی طرف سے لکھے گئے مضامین، خطوط اور جماعتی رسائل وجرائد میں لکھے گئے تعزیتی بیانات وخبریں وغیرہ کو ایک خاص اسلوب اور بہترین ترتیب کے ساتھ جناب محمد رمضان سلفی صاحب نے جمع کر کے کتابی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ خوب صورت جلد، بہترین طباعت اور کاغذ عمدہ استعمال کیا ہے۔

کتاب کا انتساب بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب راجووالوی حفظہ اللہ کے نام ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ مفید کتاب ہر جماعتی بھائی کے ہاتھ میں ہو۔ اس کتاب سے استفادہ ایک بہترین معلوماتی مطالعہ ہوگا۔ اللہ کریم جناب سلفی صاحب کی یہ محنت قبول فرمائے، آمین۔



فہرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

۴۴۹ء۲۹۷ الشیخ حافظ مبشر حسین
م۱۸۹ان نام نہاد عاملوں، کاہنوں، جادوگروں اور ایذا دینے والے جنات کا پوسٹ مارٹم، ص: ۴۵۴۔ نعمانی کتب خانہ، لاہور۔
۴۴۹ء۲۹۷ محمد منیر قمر صاحب
ق۱۷ج جنات وجادو کا علاج، ص: ۸۶۔ مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ، سیالکوٹ۔
۴۴۹ء۲۹۷ حافظ مبشر حسین
م۱۸۹ا انسان اور شیطان، ص: ۱۸۶۔ مبشر اکیڈمی، لاہور۔
۴۴۹ء۲۹۷ حافظ مبشر حسین
م۱۸۹ا انسان اور شیطان، ص: ۲۴۷۔ مبشر اکیڈمی، لاہور۔
۴۴۹ء۲۹۷ شیخ وحید عبدالسلام بالی
۱۳۴ش شریر جادوگروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار، مترجم: حافظ اسحاق زاہد، ص: ۱۴۳۔ مجلس التحقیق الاسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔
۴۴۹ء۲۹۷ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن
ح۲۷ج جادو کی حقیقت اور شیطان کی نشاندہی، ص: ۲۲۸۔ عبداللہ ہارون روڈ، کراچی۔ (تعداد نسخ: ۲)

<u>عالم برزخ:</u>

۴۶ء۲۹۷ اسرار عالم
ا۳۸۷م ما کان وما یکون، ص: ۱۹۹۔ دارالعلم، نئی دہلی (سن طباعت: ۱۹۹۹ء)
۴۶ء۲۹۷ محمد اقبال کیلانی
ا۶۰ف فتنوں کا نیا دور، ص: ۹۶۔ حدیث پبلی کیشنز، لاہور۔
۴۶ء۲۹۷ محمد احسن فاروقی
ا۲۹۲س سفر آخرت، ص: ۵۶۔ اے وائی ایف، راولپنڈی۔
۴۶ء۲۹۷ ڈاکٹر رانا محمد اسحاق
ا۳۷۸ق قبر اور عذاب قبر، ص: ۴۸۔ ادارہ اشاعت اسلام، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور۔
۴۶ء۲۹۷ محمد اسلم صدیق
ا۴۱ج جہنم ایک خوفناک انجام، ص: ۱۱۲۔ مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور۔
۴۶ء۲۹۷ سیّد محمد ذوقی
ذ۸۱۷ب برزخ، ص: ۱۳۶۔ رسالہ صوفی منڈی بہاء الدین، ضلع گجرات۔
۴۶ء۲۹۷ ابوانشاء قاری خلیل الرحمٰن جاوید
ج۲۱پ پہلا زینہ، ص: ۲۰۰۔ جامعۃ الاحسان الاسلامیہ، کراچی۔
۴۶ء۲۹۷ سیّد ذوالفقار احمد (مجموعہ ۴ کتب)
ذ۱۷ط طي الفاسخ إلى منازل البرازخ، ص: ۵۹۶۔
۲۔إمداد الحي بإصلاح الطي
۳۔الروض الممطوء في تراجم علماء شرح الصدور، ص: ۲۴۰۔
۴۔القول الميسور في رجال شرح الصدور، ص: ۳۸۔
۴۶ء۲۹۷ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارک پوری

ر۶۷ع عقیدہ آخرت، ص:۸۷۔ مکتبہ ترجمان، دہلی۔ (سن طباعت: ۱۹۹۸ء)

۲۹۷ء۴۶ محمد صادق سیالکوٹی

ص۲۱ع عالم عقبیٰ، ص: ۴۸۔ دائرۃ التبلیغ پورہ ہیراں، سیالکوٹ۔

۲۹۷ء۴۶ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

ع۶۴ع عذابِ برزخ، ص:۳۱۔ محمد حنیف، کراچی۔

۲۹۷ء۴۶ عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی

ع۱۴ش شہر خموشاں (قبرستان)، ص:۱۱۲۔ رحمانیہ دارالکتب، فیصل آباد۔

۲۹۷ء۴۶ ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

ع۵۸ع عذابِ قبر کی حقیقت، ص: ۱۵۲۔ مدرسہ امّ المومنین سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا، کیماڑی، کراچی۔

۲۹۷ء۴۶ محمد ارشد کمال

ا۴۵ع عذابِ قبر، ص:۲۲۱۔ مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔

۲۹۷ء۴۶ عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی

ع۱۴م موت کے سائے، ص: ۶۶۴۔ رحمانیہ دارالکتب، فیصل آباد۔

۲۹۷ء۴۶ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی

ع۶۳ن نبی ﷺ اور شہداء اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں، قبروں میں نہیں، ص:۷۔ محمد حنیف، مسجد توحید، کیماڑی، کراچی۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ وفات پا گئے

جماعت اہل حدیث کے معروف خطیب، مبلغ دعوت و دین، بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداس پوری شدید علالت کے بعد ۷رمئی ۲۰۱۲ء بروز پیر ایک بج کر اکیاون منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت گورداس پوری رحمہ اللہ اسلاف کی نشانی، تبلیغ مسلک اہل حدیث کے ذوق سے سرشار شخصیت تھے۔

حضرت مولانا موصوف شیخ الاسلام شیر پنجاب مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ برصغیر کے عظیم خطیب سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ سے بھی انھیں بڑی عقیدت تھی۔ شاہ صاحب نے اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیرا اور انھیں پیار فرمایا۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداس پوری جماعت اہل حدیث کے ہر دلعزیز خطیب مرنجاں مرنج طبیعت رکھنے والے، خوش مزاج اور پیاری طبع کے بزرگ تھے۔ ان کی وفات حسرتِ آیات ایک بڑے صدمے سے تعبیر کی جائے گی۔

۵رمئی ۲۰۱۲ء کو مولانا پر دماغی فالج کا حملہ ہوا۔ فوری طور پر ہسپتال منتقل کیا گیا مگر وہ قومے میں رہنے کے بعد ۷رمئی بروز پیر وفات پا گئے۔

احباب جماعت حضرت موصوف کی مغفرت و بلندی درجات کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ ہم اراکین الاعتصام موصوف کے لواحقین خصوصاً ڈاکٹر بہاء الدین (برطانیہ) ان کے پوتے جناب سہیل گورداس پوری و دیگر کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

تفصیلی مضمون آئندہ ان شاء اللہ (محمد سلیم چنیوٹی)